نواب ٹمبکٹو

ایکٹ پہلا

(عاقل خاں وزیر اپنے محل کے دیوان خانے میں بیٹھا ہوا ہے
جس کے پیچھے زنانخانہ ہے، پردے پڑے ہوتے ہیں۔
سامنے جمشید جی سوداگر ہاتھ باندھے کھڑا ہے۔)

وزیر:۔ میں نے سنا ہے کہ تم بمبئی جا رہے ہو؟ کیا یہ سچ ہے؟

جمشید جی:۔ ہاں جور، ہوں بمبئی جاؤں چھوں۔

وزیر:۔ جمشید جی! میرا ایک کام ہے۔ آج اسی لئے میں نے تمہیں بلایا ہے۔

جمشید جی:۔ بولو جور۔ اپن اکّا کاموں چھوڑ نی تمارو کام کروں چھوں۔

وزیر:۔ دیکھو مجھے ایک شلوکہ چاہیئے ہے جو بمبئی میں بہت اچھا ملے گا۔ تم اٹلی کی مخمل لینا اُس پر اورنگ آباد کے جامہ دار کی گوٹ لگوانا اور سورت کے کاریگروں سے زری کا کام بنوانا اور بمبئی کے کاریگروں سے سلوانا۔ بس جمشید جی وہ شلوکہ ایسا ہونا چاہیئے کہ اس کی مثال کسی نواب اور سلطان کے گھر میں نہ مل سکے۔ جب ایسا شلوکہ تیار ہو جائے تو وہیں پر احمد آباد کے کسی سنار سے سونے کے چوبیس بٹن تیار کرانا لیکن وہ بٹن کتنے بڑے ہوں اُسے کان کھول کر سُن لو۔ ہر ایک بٹن مُرغی کے انڈے سے چھوٹا ہونا چاہیئے اور کبوتر کے انڈے سے بڑا۔ یہ تمام بٹن گلے کے چاروں طرف ٹانک دیئے جائیں گے تو پہننے والے کو چار چاند لگ جائیں گے۔ اس کو جس قدر جلد ہو سکے بنوالو۔ بس میں کہہ چکا لو یہ پچاس اشرفیاں رکھو، باقی پھر دیکھا جائیگا۔ (وہ پچاس اشرفیوں کی تھیلی نکال کر سامنے رکھی ہوئی میز پر رکھ دیتا ہے) دیکھو اس میں سرمو فرق نہ ہونا چاہیئے ورنہ یاد رکھو کہ تمہارا گوشت کووں کو کھلاؤں گا، کووں کو۔ تم کب واپس آؤ گے، بولو۔

جمشید جی:۔ ہوں ایک ادس ما آؤں چھوں۔ پن شلوکہ نی سائز کیٹلی چھے۔ کیٹلا لمبو، کیٹلا چوڑو، کیٹلی کمر، کیٹلی گلو، ان کیٹلا سینوں۔ درجی نو سوں بتاؤں چھوں، کیم سائز نوں بگیر کام نتھی چالے جور۔

وزیر:۔ اونہہ سائز کی ضرورت نہیں۔ ہے۔ مجھے بس شلوکہ چاہیئے۔ چاہے بڑا ہو یا چھوٹا لیکن اگر خوبصورت بنا ہوا ہو تو بدن پر آپ ہی آپ ٹھیک آ جائیگا۔

جمشید:۔ جور، ہوں آ عرج کروں چھوں۔ اپن کپڑو کھریدے۔ بٹنوں نی تیاری کرے۔ گوٹ نی آرڈر دے دے۔ انے جری نوں کام کھتم کرالے۔ پچھلے بدھو مال تمارے آنکھوں نی سامنے لائی درجی نو حکم کری کہ سائز نو مانک کاٹ کوٹ ٹھیک بنائی ڈالی۔

وزیر:۔ سوداگر کا بچہ! ٹر ٹر باتیں بنائے جاتا ہے اور ہماری کچھ سنتا ہی نہیں جیسے تمام دُنیا کی باتیں تو ہی جانتا اور سمجھتا ہے۔ ارے کیا سائز بغیر کوئی کپڑا سل ہی نہیں سکتا۔ پھر درزی کا کمال ہی کیا ہوا (چپکے سے) ارے کیسا سوداگر ہے کہ بات کو سمجھتا ہی نہیں۔ بھائی یہ بڑے راز کی بات ہے۔ میں تجھے کیسے بتادوں کہ یہ شلوکہ کس کے لئے بن رہا ہے اور وہ عورت کتنی لمبی چوڑی اور کتنی موٹی ہے۔

جمشید جی:۔ کھتا تھی گئی۔ اپن کو ماف کرو جور۔

وزیر:۔ نہیں معافی کی کیا بات ہے لیکن تمہیں اتنا تو سوچنا چاہیئے کہ اگر ٹمبکٹو میں یہ خبر پھیل گئی کہ میں یہ شلوکہ کس لئے بنوا رہا ہوں تو بس آفت آجائے گی۔ میرے سر اور ڈاڑھی کے بال ایک دوسرے سے علیحدہ ہو کر ہوا میں اُڑتے نظر آئیں گے، سمجھا۔

جمشید جی:۔ منے کھبر نتھی جور۔

وزیر:۔ سچ کہتا ہے کہ تجھے نہیں معلوم!

جمشید جی:۔ کھری کھری بات چھے۔ منے سوں کھبر۔

وزیر:۔ اچھا تو میں تجھے بتائے دیتا ہوں۔ لیکن خبردار کسی کو کانوں کان خبر نہ ہو۔ میں جانتا ہوں کہ سوداگر کی زبان اور سپاہی کے ہاتھ چلا ہی کرتے ہیں لیکن اگر میں نے سُن پایا کہ تُو نے بازار میں بیٹھ کر شیخی بگھاری کہ وزیر صاحب نے مخمل کا شلوکہ بمبئی سے منگوایا ہے تو جان لینا کہ تیری زبان گدی سے نکلوا لونگا۔

جمشید:۔ (تھر تھرا کر) ہوں کسم کھاؤں چھوں۔

وزیر:۔ دیکھو، رجب، شعبان، رمضان۔ عید کے تین مہینے باقی ہیں ابھی میرا ارادہ ہے کہ عید کے موقع پر "لالہ خاتون" کی خدمت میں یہ شلوکہ پیش کردوں اگر میں اُس کی تیاری یہاں کراؤں گا تو عقیلہ بیگم بھی ضد کریں گی کہ مجھے بھی ایسا ہی بنوادو۔ بھئی دو جورو والے کی زندگی بڑی کٹھن ہوتی ہے اگر نہیں بنواؤں گا تو وہ تو تو میں میں ہوگی کہ گھر میں بیٹھنا دشوار ہو جائیگا۔

جمشید:۔ پن جور ــــ آ شلوکہ لالہ بیگم نی انگ ماں جوئے تو عکیلہ بیگم جشر نتھی مچاسے؟

وزیر:۔ یا اللہ۔ کتنا جھکی آدمی ہے بھئی۔ ارے تجھے اس سے کیا مطلب۔

اگر عقیلہ بیگم حشر مچائیں گی تو میں کہدوں گا کہ یہ شلوکہ میری بہن احمد نگر کے نواب کی بیوی نے بھیجا ہے بس چلو چھٹی ہوئی۔ اب تو سمجھ گئے۔ بولو مجھ سے وعدہ کرو کہ اس کا ذکر کسی سے نہ کرو گے۔

جمشید۔ حجور، ہوں موٹو سوداگر چھوں۔ ہوں جبان دوں چھوں کہ آ بات کسی نا نتھی بولوں۔

وزیر۔ خدا تمہارا بھلا کرے۔ جاؤ دُور ہو میرے سامنے سے۔

(جمشید جی سلام کر کے رخصت ہوتا ہے اُس کے جاتے ہی زنانخانہ کا پردہ ہٹتا ہے اور یکبارگی عقیلہ خانم کمرے میں داخل ہوتی ہے۔)

عقیلہ خانم۔ ہوں۔ مخمل کا شلوکہ، زری کا کام اور سونے کے بٹن، اپنی چہیتی کے لئے۔ اب مَیں سمجھی۔ عید کے موقع پر احمد نگر کا تحفہ آرہا ہے اور مَیں ایسی ننھی ہوں کہ سب باتوں کا یقین کر لوں گی۔ وہی بہن ہیں نا تمہاری جو گھی کو بوتل میں بند کر کے روٹی کے نوالے اُس پر رگڑ رگڑ کھاتی ہیں۔ اور اب وہ اتنی سخی ہو گئیں کہ تمہاری بیوی کے لئے سینکڑوں روپے کی لاگت کا شلوکہ بھیج رہی ہیں۔ ایسے مَیں اُڑتی چڑیا کی پہچاننے والی یوں دھوکا کھا جاؤنگی۔

وزیر۔ ایسے بیگم کیوں مجھے دھمکا رہی ہو کچھ دیوانی ہو گئی ہو، کیسا شلوکہ، کیسا تحفہ، آخر یہ بات کیا ہے؟

عقیلہ خانم۔ اب مکاری بھی سیکھ گئے ہو۔ زبان پلٹتے شرم نہیں آتی میں نے اپنے کانوں سے سب باتیں سنی ہیں جو کچھ تم جمشید جی سے کہہ رہے تھے۔ میں تو پہلے ہی سمجھ گئی تھی کہ آج اس پارسی سوداگر کو تم کیوں بلا رہے ہو۔ اسی لئے میں پردے کے پیچھے آکر کھڑی ہو گئی تھی۔ خدا مبارک کرے یہ عید کا تحفہ۔ لالہ خانم اس کو پہن کر جائیں اور سارے محل کو دکھاتی پھریں لیکن تمہیں کچھ خبر بھی ہے کہ وہ تمہاری بہو کیا گل کھلا رہی ہیں۔ وہ روشن اختر نواب صاحب کا بھتیجہ۔

وزیر۔ چپ بڈھی کھوسٹ! تجھے شرم نہیں آتی کسی پر بہتان لگاتے ہوئے۔ میری عزت کو خاک میں ملا رہی ہے اور یوں آنکھیں ٹپکا کر بات کر رہی ہے۔

عقیلہ خانم۔ مَیں تمہاری عزت کو خاک میں ملا رہی ہوں! تمہاری عزت ہے بھی۔ ایسے میرے پلو پر فرشتے نماز پڑھتے ہیں۔ یہ تمہاری چہیتی بیگم صاحب ہی ہیں جو روشن اختر سے پینگ بڑھا رہی ہیں میری ماما نے خود اپنی آنکھوں سے دیکھا ہے۔

وزیر۔ مجھے نہ تمہارا اعتبار نہ تمہاری ماما کا۔

عقیلہ خانم۔ نہ سارے دنیا کا۔ معلوم ہوتا ہے تم اندھے ہو گئے ہو، یہ بھی جانتے ہو کہ اس بات کا گھر گھر چرچا ہو رہا ہے۔

وزیر۔ اتنے کیا بک رہی ہے۔ لالہ خانم نے اُس کو دیکھا تک تو ہے نہیں اور پینگ یوں ہی بڑھ گئے۔

عقیلہ خانم۔ خود تم نے دکھایا تم نے۔

وزیر۔ (چلا کر) میں نے!

عقیلہ خانم۔ ہاں ہاں تم نے! کیا میں نے دکھایا تھا۔ کیا بھول گئے پارسال کی بات۔ جب عید کے روز ہمارے محل کے پچھواڑے جشن منایا گیا تھا اور شہسواری کے کرتب ہوئے تھے اُس روز تم نے ہم سب کو اجازت دی تھی کہ محل کی منڈیر پر بیٹھکر تماشہ دیکھیں۔ اس روز روشن اختر نے گھوڑے پر بیٹھ کر وہ وہ بہادری دکھائی ہے کہ ساری خلقت دنگ رہ گئی تھی۔ بس اسی روز سے لالہ خانم کے دل پر اس کا سکہ بیٹھ گیا اور اس کے بعد اس نے اُسے محل میں بلا بھیجا۔ میں تو کہتی ہی تھی کہ تم بڈھے کھوسٹ ہو کر ایک جوان لڑکی سے شادی مت کرو اور اُسی کا یہ بھگتان بھگتنا پڑا۔ ابھی کیا ہے اپنی بہو کے رنگ دیکھنا۔

وزیر۔ اچھا دُور ہو جاؤ میرے سامنے سے جو کچھ تمہیں بکنا تھا بک چکیں۔ اب میرا دماغ مت کھاؤ۔ جاؤ مجھے اور کام بھی ہیں۔

عقیلہ۔ دور ہو میری بلا۔ دُور رہو تمہاری چہیتی لالہ خانم۔ اس کا کالا منہ ہو نیلے ہاتھ پیر۔ (جاتی ہے)

وزیر۔ (اکیلے بیٹھ کر دل ہی دل میں) بڑھیا کی زبان ہے کہ خدا بچائے قینچی کی طرح چلتی ہے تو کسی کو نہیں چھوڑتی۔ تمام دنیا کی بوڑھی عورتیں ایک ہی جیسی ہوتی ہیں۔ وہ یہ چاہتی ہیں کہ اس دنیا میں جوان عورتوں کے لئے کوئی جگہ ہی نہ رہے۔ اور اگر کچھ جوان عورتیں رہ بھی جائیں تو اُن کے دل ان کے چہروں کی طرح بوڑھے ہو جائیں بھلا یہ بھی کوئی بات تھی۔ لالہ خانم ابھی الہڑ ہی تو ہے ذرا روشن اختر کی بہادری کی تعریف کر دی ہو گی۔ آخر اس میں کیا برائی ہو گئی بس یہ لے اڑیں اور بات کا بتنگڑ بنا ڈالا۔ اگر اس کے دل پر روشن اختر کی بہادری کا سکہ بھی بیٹھ گیا ہے تو اس کو دور کرنا بائیں ہاتھ کا کھیل ہے۔ میں باتوں باتوں میں کہہ دونگا کہ بھئی اس روز اس کا جن لوگوں سے مقابلہ ہوا تھا وہ سب کمزور اور بوڑھے تھے اگر وہ اتنی سی بات پر گھمنڈ کریگا تو مجھ جیسے شور ماکو غصہ آجانے گا اور ذرا سی دیر میں وہ دانت کھٹے کر دونگا کہ کھائی پی سب بھول جائیں گے۔ اچھی بات ہے، میں ابھی لالہ خانم کی حویلی میں جاتا ہوں۔ (اٹھتا ہے)

عقیلہ۔ (دوبارہ آتے ہوئے) حضور والا۔ ذرا اس کنیز کو حکم دیتے جائیے کہ جناب آج خاصہ میں کیا تناول فرمائیں گے۔

وزیر۔ کیا تناول فرمائیں گے۔ یہ کیا زہر مار کریگے۔ بخشو بی بلی خالہ چوہا لنڈورا

ہی بھلا۔ آج تمہاری باتوں ہی سے پیٹ بھر گیا۔

(وہ کمرے سے باہر جانا چاہتا ہے کہ۔۔ اُس کا پاؤں سامنے پڑی ہوئی چھلنی پر پڑتا ہے۔ یکایک وہ اچھل کر اُس کے گھٹنے پہ آکر لگتی ہے جس سے سخت چوٹ آتی ہے وہ بلبلا کر گھٹنا سہلانے لگتا ہے اور غصہ سے بیتاب ہو کر عقیلہ کی طرف مخاطب ہو کر چِلّاتا ہے)

ہائے مار ڈالا۔۔ ارے کمبخت یہ چھلنی یہاں کیوں پڑی ہوئی ہے میرے دیوان خانہ میں اس کا کیا کام ہے؟

عقیلہ خانم۔ میری جانے جوتی کہ یہ چھلنی یہاں کیا کر رہی ہے۔ گالیاں اور الزام دینے کیلئے میں مل گئی ہوں اور مخمل کا شلوکہ پہننے کے لئے دوسرے ہیں۔ دنیا سے انصاف اٹھ گیا ہے۔

وزیر۔ ابے بھوندو کے بچے!

(بھوندو فراش باہر سے۔۔ جی حضور! کہتا ہوا اندر داخل ہوتا ہے اور وزیر کے سامنے دست بستہ کھڑا ہو جاتا ہے۔ عقیلہ بیگم زنان خانہ میں چلی جاتی ہے۔)

(غصہ میں) کیوں بے نمک حرام! میرے دیوانخانے میں چھلنی کا کیا کام۔

بھوندو۔ حجور۔۔ ہم آج جھاڑو بہاڑو دیوت رہویں تو کا دیکھت کہ دگڑو سہیں چھلنیا ہاتھ میں لئے تہارے کمرا میں ٹھاڑا ہے۔ یہ او ہو کی شرارت ہے ہمار ناہیں۔

وزیر۔ بلاؤ بدمعاش کو۔

(بھوندو جاتا ہے۔)

یا مرے اللہ، میرے دیوانخانہ میں سائیس تک آجاتے ہیں گویا میں اصطبل میں رہتا ہوں گھر میں نہیں۔ اس گھر میں سوائے اذیت اور پریشانی کے کچھ بھی نہیں۔

عقیلہ۔ ہاں کیوں نہیں۔ آرام تو اس گھر میں ملے گا جہاں لالہ نہالم کا چاند سا مکھڑا ہوگا یہاں کانٹے ہیں۔ وہاں پھول ہیں پھر جاتے کیوں نہیں وہاں کیا ہمیں نے روکا ہے۔

(بھوندو اپنے ساتھ سائیس کو لئے داخل ہوتا ہے۔)

وزیر۔ (غصہ سے بیتاب ہو کر، او دگڑو کے بچے، بتا تو تیرا یہاں کیا کام تھا کیا تو نے اسے بھی اصطبل ہی سمجھا ہے۔ بتا مردود! تو یہاں کیوں آیا تھا؟

دگڑو۔ ہم بھوندو بھیا سے آپوچھن گئے رہن کہ سرکار آج گھوڑوا پہ بیٹھب کہ ناہیں۔ بس ہے بات پوچھب اور جھٹ دینا ہم باہر نکی گئے۔

وزیر۔ تو پھر اپنی چھلنی کیوں ڈال گیا یہاں۔

دگڑو۔ ہم گھوڑوا کا دانہ پھٹک رہیں۔

وزیر۔ اب، گھوڑے کے بچے، دانہ پھٹکنے کیلئے یہی جگہ رہ گئی تھی۔

دگڑو۔ ناہیں سرکار ہمرے ہاتھ میں رہب تو بھولے سے چھوڑ گئب۔

وزیر۔ تو اٹھانے کیوں نہیں آیا۔

دگڑو۔ دھیان ناہیں رہا کہ چھلنی کہاں بھولب، ہم اوہر وار ڈھونڈھت راہیں اور ہم نے جنوا کی مہتاری کو دو چار مکوا ابھی مارب کہ بتا چھلنی کہاں ہے۔

وزیر۔ ہوں۔ اب آپ کا حافظہ اتنا کند ہو گیا ہے کہ ذرا سی بات یاد نہیں رہتی۔ گیہوں کی روٹیاں لگ گئی ہیں مردود۔ رہ تو جا کمبخت ۔۔۔ بھوندو! امین اللہ کو بلاؤ۔۔ ہاں ایک کوڑا ایک رسی اور دو چار چوکیداروں کو بھی لیتے آنا۔

(بھوندو جاتا ہے)

دگڑو۔ (کانپتے ہوتے اور روتے ہوتے) سرکار ہمری کسطا ماف کرو۔ تمہری مہتاری کے صدکے اب کی بیر چھوڑ دیو، سرکار، تمہرے پاؤں پڑیں۔

وزیر۔ (غصے سے بیتاب ہو کر) چپ مردود!

دگڑو۔ سرکار! ابکی بیر ہم تمہرے دوارے کدم رکھب تو ہمرا مانس چیل کوول کو کھلاؤ۔

وزیر۔ خاموش رہتا ہے یا دیتا ہوں لات۔

(امین اللہ داروغہ محل مع بھوندو اور چوکیداروں کے داخل ہوتا ہے۔)

(چوکیداروں سے) داروغہ کو پکڑ کر تھم سے باندھ دو۔ رسی سے اچھی طرح جکڑ دو نمک حرام کو۔

(چوکیدار حکم کی تعمیل کرتے ہیں داروغہ کو پکڑ کر تھم سے باندھ دیتے ہیں۔ اگر تھم نہ ہو تو ہاتھ پاؤں رسی سے جکڑ دئے جائیں لیکن اس طرح کہ وہ پیٹ لیٹا رہے؛ کوڑا لیکر اُدھیڑ دو کمبخت کو۔

(داروغہ پر کوڑے برسنے لگتے ہیں۔)

داروغہ۔ ارے سرکار میں مرا۔ خداوندا رحم کیجئے۔ حضور دہائی ہے آخر اس غلام کی کیا خطا ہے جو اس بے دردی سے کھال کھینچی جا رہی ہے۔

وزیر۔ میرے دیوانخانے میں چھلنی کیوں آئی؟

داروغہ۔ کیسی چھلنی حضور!

وزیر۔ جب خوب مرمت ہو جائیگی تو معلوم ہو جائے گا کہ چھلنی کیسی ہوتی ہے۔

(کوڑے پڑ رہے ہیں۔)

داروغہ:- آہ! میں حضور پر سے صدقے ہو کر مرجاؤں۔ آہ! میرا چمڑا سرکار کی جوتیوں کے کام آئے۔ حضور رحم کیجئے۔ پہلے یہ تو بتا دیجئے کہ میں نے کونسا جرم کیا ہو۔ یہ سزا مجھے کیوں دی جا رہی ہے؟ اللہ اتنا بتا دیجئے پھر مجھے مار بھی ڈالئے تو بھی میں اُف نہ کرونگا۔

وزیر:- ٹھہر جاؤ۔ امین اللہ! کیا یہ تمہارا فرض نہیں ہے کہ ڈیوڑھی کے نوکروں کی نگرانی کرو۔ اور دیکھو کہ وہ کام ٹھیک کرتے ہیں یا نہیں؟

داروغہ:- جی حضور اس غلام کا یہی فرض ہے۔

وزیر:- ہاں تو تمہارا جرم یہ ہے کہ تم نے اپنا فرض پوری طرح ادا نہیں کیا کیونکہ نوکروں کو اب تک یہ نہیں معلوم کہ انہیں کیا کام کرنا ہے اور کہاں کرنا ہے۔ کیا یہی تمہاری نگرانی ہے کہ سائیس اپنے اصطبل کو چھوڑ کر میرے دیوانخانہ میں بیٹھکر دانہ پھٹکیں اور چھلنی یہیں رکھکر چلے جائیں اور میں اُس پر قدم رکھوں اور وہ اُچھل کر میرے گھٹنے کو زخمی کر دے۔ اے مردود! مجھے ساری مملکت کا انتظام کرنا ہے اور تجھ سے ایک گھر کا انتظام نہیں ہو سکتا۔۔!

داروغہ:- یہ تو نہاری دین ہے۔ میں آپ کی سی عقل و تمیز کہاں سے لاؤں۔

وزیر:- یہ بات ہے۔ (چوکیداروں سے) مارو کمبخت کو۔ لے یہ بھی خدا کی دین ہے۔

داروغہ:- اے اے رحم کرو۔ کیا میری جان لوگے۔ میں کہہ تو رہا ہوں کہ اب کبھی ایسا نہ ہوگا۔

وزیر:- اچھی بات ہے۔ جاؤ ہم نے معاف کیا۔ امین اللہ! دیکھو اگر کبھی میرے دیوان خانے میں چھلنی آئی تو تمہارا حشر بہت برا ہوگا۔ یاد رکھو۔

داروغہ:- مجال کیا کہ اب کچھ بھی آپکی مرضی کے خلاف ہو۔

وزیر:- جاؤ۔

دگڑو:- ایشور کی دیا۔

(اپنی چھلنی لے کر بھاگتا ہے دوسرے لوگ اُس کے پیچھے روانہ ہوتے ہیں۔)

دوسرا ایکٹ

(لالہ خانم کی حویلی میں۔)

روشن اختر:- (دریا خاتون کے سامنے کھڑے ہوئے) آخر اس کا مطلب کیا ہے؟ کیا میں مرگیا ہوں جو تمہیں تمہاری مرضی کے خلاف کسی دوسرے سے بیاہا جا رہا ہے۔ میری سمجھ میں نہیں آتا کہ عاقل خاں کو نواب سے رشتہ جوڑ کر کیا فائدہ ہوگا۔

دریا خانم:- کیوں نہیں؟ عزت! دولت اور حکومت میں اضافہ ہوگا۔

روشن اختر:- اب اُس کے گھر میں کس بات کی کمی ہے کیا وہ نواب کی ناک کا بال نہیں بنا ہوا ہے؟۔

دریا خانم:- دولت کی ہوس مرتے دم تک پیچھا نہیں چھوڑتی اور بے زبان لڑکیاں دولت اور حکومت کو بڑھانے کا ایک بڑا ذریعہ ہیں۔ لچھمی کی دیوی ہماری بھینٹ لیکر خوش ہوتی ہے۔

روشن اختر:- اس نشہ نے اُس کو اندھا کر دیا ہے لیکن اُسے معلوم نہیں کہ نواب دوسروں کے معاملہ میں موم ہے۔ اور اپنے رشتہ داروں کے معاملہ میں پتھر۔ تم نے مجھے قسم دیکر بے دست و پا بنا دیا ہے۔ ورنہ میں اس رستے کی دیوار کو ٹھوکر مار کر گرا چکا ہوتا۔ خیر کل ہی دیکھ لونگا۔

دریا خانم:- ہے ہے خدا کے لئے اتنی جلدی نہ کرو۔ تم جس طرح اب تک خاموش رہے ہو اُسی طرح اب بھی رہو۔ ورنہ دشمنوں پر نہ معلوم کیا مصیبت آ جائیگی سب کچھ معلوم ہے پھر بھی اپنی جان کو ہلاکت میں ڈالتے ہو۔ نواب خود تمہارا دشمن ہے وہ چھری کو پاتا ہے تو تم کو نہیں پاتا ہے اور تم کو پاتا ہے تو چھری کو نہیں۔ اب جو پہل تمہاری طرف سے ہوگی تو وہ کیا کچھ ظلم نہ کریگا اور عاقل خاں زہر بھڑکانے میں کوئی کسر اٹھا نہ رکھے گا۔

روشن اختر:- کیا نواب نے اب بھی کوئی کسر اٹھا رکھی ہے۔ میرے مرحوم ابا جان کو زہر دے چکا ہے اور میرا تاج و تخت دبائے بیٹھا ہے۔ اب میرے پاس رکھا ہی کیا ہے جو لے گا۔۔ لیکن اس اکیلی جان کا خدا مالک ہے انسان کچھ نہیں کر سکتا۔

دریا خانم:- تم اس کی آنکھوں میں کانٹے کی طرح کھٹکتے ہو۔ وہ تو کہیئے کہ ساری خلقت تم پر اپنی جان نثار کرتی ہے اس لئے وہ تم پر ہاتھ نہیں ڈالتا ورنہ۔۔۔۔۔۔۔۔

روشن اختر:- اس کی کیا مجال ہے کہ وہ میری طرف ٹیڑھی نگاہ بھی کر سکے۔ اُسی وقت سارے ٹمبکٹو میں غدر ہو جائے گا۔ لیکن یہ تو بتاؤ عاقل خاں مجھ سے کیوں جلتا ہے۔

دریا خانم:- تم شیر علی کو نوکر جو رکھے ہوئے ہو اور شیر علی ٹمبکٹو کی گدی کا قدیمی نمکخوار ہے۔ کیونکہ اس کا باپ خدا بخشے بڑے نواب صاحب کا وزیر تھا۔ اور اگر تم نواب ہو گئے تو تم شیر علی کو وزیر بناؤ گے یا عاقل خاں کو؟ اسی لئے وہ چاہتا ہے کہ شیر علی جلا وطن کرا دیا جائے۔

روشن اختر:- شیر علی جلا وطن کرا دیا جائے۔ اے وہ مُنہ دھو رکھے، اگر کسی نے اس کی طرف ذرا سا اشارہ بھی کیا تو کلیجہ چیر ڈالونگا۔ میرا مددگار خدا ہے۔

اس نکمرام کو اس کا مزہ نہ چکھایا تو بات ہی کیا ہوئی۔ لیکن مجبوری یہ ہے کہ ابھی سر اٹھانے کا وقت نہیں آیا۔ ہاں یہ تو بتاؤ لالہ باجی کہاں ہیں مجھے اُن سے کچھ پوچھنا ہے۔

دریا خانم:۔ اماں جان کی حویلی میں ہونگی۔

روشن اختر:۔ ذرا ان کو بھیج تو دو۔

دریا خانم:۔ چلو ہم تم دونوں چلتے ہیں کیونکہ اماں جان آج حمام کر رہی ہونگی

(دونوں جاتے ہیں۔)

سین

(لالہ خانم کی حویلی)

عقیلہ بیگم:۔ (داخل ہوتے ہوتے) اب میری ماما کو بھی ستانے لگی۔ یا اللہ مجھے اس گھر میں اتنا تنگ کیا جاتا ہے کہ اب میرے پاس نوکر بھی نہ رہے۔ (وہ دیکھتی ہے کہ لالہ خانم کا کمرہ خالی ہے اس لئے وہ چاروں طرف جھانکتی ہے۔) مردار کہیں گئی ہوئی ہے۔ نہیں تو اس وقت دو دو باتیں کرتی۔ (روشن اختر کی آواز باہر سے آتی ہے۔) اے ہے یہ کیا ہوا۔ یہ موا کون گھسا آتا ہے۔ ارے میں کیا کروں۔ (گھبرا کر) نگوڑی میں یہاں کیوں آگئی۔ اوئی ہوئی ہوئی وہ تو سر پر آگیا میں کہاں جاکر چھپوں۔

(وہ گھبرائی گھبرائی چاروں طرف پھرتی ہے اور آخرکار پردے کے پیچھے جاکر چھپ جاتی ہے۔ روشن اختر اور لالہ خانم داخل ہوتے ہیں۔)

روشن اختر:۔ واللہ کیا مصیبت کا سامنا ہے۔ ذرا قدم ہی رکھا تھا کہ آپ کی والدہ حمام سے اچانک نمودار ہوگئیں۔ خدا نے خیر کرلی ورنہ آج سامنا ہو ہی گیا ہوتا۔ بات کرنے کی مہلت ہی نہیں ملتی۔ یہاں تو امن ملے گا۔ لیکن کہیں ایسا نہ ہو کہ میری بدقسمتی یہاں بھی رنگ لائے اور وزیر صاحب داخل ہو جائیں۔

لالہ خانم:۔ بھیا اطمینان رکھو۔ وہ آج یہاں کا رُخ بھی نہ کرینگے۔

روشن اختر:۔ کیوں؟۔

لالہ خانم:۔ کیونکہ آج عقیلہ بیگم کی باری ہے اور وہ اسکی زبان درازی سے اتنا ڈرتے ہیں کہ بلی کے سامنے چوہا۔

روشن اختر:۔ اگر یہی سبب ہے تو معاف کیجئے میں جاتا ہوں کیونکہ آپکے شوہر کو اپنا ارادہ بدلتے دیر نہیں لگتی۔ کیا معلوم وہ کس وقت نازل ہو جائیں۔

لالہ خانم:۔ میں نے دریا بیگم کو غلام گردش میں بٹھا دیا ہے جس وقت وہ آئینگے ہمیں فوراً اطلاع ہو جائیگی۔ لیکن تم اتنا ڈرتے کیوں ہو؟

روشن اختر:۔ میں ڈرنے کیوں لگا۔ ہاں اس وقت مناسب نہیں سمجھتا کہ آپ کی فضول بدنامی ہو اور مفت میں یہ خبر نواب کے کانوں تک پہونچے۔

مجھے ابھی بہت کچھ تیاریاں کرنی ہیں۔

لالہ خانم:۔ اچھی بات ہے۔

(دریا خاتون گھبرائی ہوئی آتی ہے)

دریا خانم:۔ ہے ہے غضب ہوگیا۔ وزیر دولہ بھائی آگئے۔

(لالہ دروازہ پر جاکر جھانکتی ہے)

لالہ خانم:۔ اے میرے مولیٰ مدد! وہ تو سیدھے اِدھر ہی آرہے ہیں۔ ہئی ہئی اب کیا کروں۔ روشن اختر تمہیں کہاں چھپاؤں۔

روشن اختر:۔ بڑی مشکل ہے۔ کیا کروں۔ معلوم ہوتا ہے وزیر کو کسی نے خبر دی ہے۔ اس وقت مل جائے تو اس کا تکہ بوٹی کر ڈالوں۔

لالہ خانم:۔ بھائی یہ موقع غصہ کا نہیں ہے۔ چلو چلو۔ اس پردے کے پیچھے۔ چلو جلدی۔ پھر میں اُن کو کسی بہانے سے ٹالتی ہوں۔

(روشن اختر گھبرا کر پردے کے پیچھے چلا جاتا ہے)

(وزیر داخل ہوتا ہے)

وزیر:۔ (لنگڑاتا ہوا آتا ہے۔ اس کے پیچھے وحید خاں خزانچی بھی ہے) لالہ خاتون کیا کر رہی ہو۔ نصیبِ دشمناں مزاج کیسا ہے؟۔

لالہ خانم:۔ خدا کا شکر ہے اچھی ہوں۔ اللہ آپ کو سلامت رکھے مگر اس وقت کیسے تشریف لے آئے۔ ارے یہ لنگڑاتے کیوں ہیں۔ آپ کو میری جان کی قسم بتائیے کیا بات ہوئی۔

وزیر:۔ ارے کچھ نہ پوچھو۔ آج میرے اوپر صبح ہی صبح وہ مصیبت پڑی ہے کہ عمر بھر یاد رہے گی۔ دن اس طرح کٹ رہے ہیں کہ خدا یاد آتا ہے ——— وحید ہم چار پئیں گے۔

(وحید آداب بجا لاکر چار لینے جاتا ہے)

لالہ خانم:۔ تو تشریف رکھیے۔ کھڑے کھڑے تھک جائیں گے۔ اب بتائیے کیا ہوا جو اس قدر مایوس نظر آرہے ہیں۔ لیکن نہ کہئے آپ کو تکلیف ہوگی اور وقت بھی زیادہ لگے گا۔

وزیر:۔ نہیں، اتنا لمبا قصہ نہیں ہے۔ سن ہی لو۔ واقعہ یوں ہوا کہ میں آج نواب صاحب کے دربار میں بیٹھا ہوا تھا۔ بہت سے اور اُمرا بھی بیٹھے ہوئے تھے۔ باتوں باتوں میں روشن اختر کی بہادری کا قصہ بھی نکل آیا۔ وہ سب کہنے لگے کہ ساری سلطنت میں اس وقت اس کے جوڑ کا کوئی بہادر مشکل سے نکلے گا۔ یہ سنکر مجھ سے ضبط نہ ہوسکا۔ میں نے کہا کہ "جناب، روشن اختر ابھی بچہ ہے۔ اُس کے دودھ کے دانت بھی ابھی نہیں ٹوٹے ہیں۔ اس روز عید کے جشن کے موقع پر اُس نے جن بہادروں کو پچھاڑا وہ سب کے سب سیپ لگے ہوئے تھے۔ ان میں کوئی بھی دل گردہ کا آدمی نہ تھا"۔ میرا یہ بیان سنکر سب

دنگ رہ گئے اور کہنے لگے "اس کا ثبوت کیا ہے؟" میں نے خم ٹھونک کر کہا کہ میں پچاس سال کا بڈھا ہوں لیکن اب بھی اتنا دم رکھتا ہوں کہ اس کو اکھاڑے میں چاروں شانے چت نہ کردوں تو میرا ذمہ۔ نواب صاحب یہ سنکر اچھل پڑے اور کہنے لگے کہ بھئی اسی وقت اس بات کا فیصلہ ہو جائے کہ کون کتنے پانی میں ہے۔ حکم حاکم مرگِ مفاجات، مجھے خم ٹھونک کر کھڑا ہی ہونا پڑا جب روشن اختر نے یہ دیکھا کہ اب یہ بلا سر ہی پر منڈلا رہی ہے تو وہ بھی اکھاڑے میں آن کودا۔ میں کہنے کو تو یہ بات کہہ گیا تھا لیکن اندر سے دل دھک دھک کر رہا تھا کہ خدایا تو ہی آبرو رکھنا۔ لیکن واہ رے اس کی شان۔ اس وقت میں اکھاڑے میں ایک مست ہاتھی کی طرح جھوم رہا تھا اور روشن اختر میرے مقابلے میں گتے کا پوتڈا نظر آ رہا تھا۔ میں نے اللہ کرکے جو زور لگایا ہے تو میاں چت پڑے ہوئے تھے۔ آنکھیں پھٹی کی پھٹی رہ گئی تھیں اور تنفس بند ہو گئی تھی۔ آدھ گھنٹے کے بعد آنکھیں کھولی ہیں تب لوگوں کو یقین ہوا کہ جان سلامت ہے ورنہ آج اُن کا خاتمہ ہی ہو گیا تھا۔ مجھے ایسا معلوم ہو رہا تھا کہ میں نے ایک تنکے کو اُٹھا کر پھینک دیا ہے۔ لیکن بعد کو ذرا کمر میں درد محسوس ہونے لگا اسی وجہ سے چلنے پھرنے میں تکلیف معلوم ہوتی ہے۔ ارے بھئی اتنے بڑے جوان کو اُٹھا پھینکنا کوئی کھیل نہیں ہے۔

لالہ خاتون۔ (قہقہہ لگاتے ہوئے) او ہو تو یہ کہئیے کہ آج آپ رستم بن گئے تھے۔ ہے ہے اگر خدانخواستہ وہ لڑکا مر جاتا تو اُس کی ماں کے کلیجے سے کیسی ہوک اُٹھتی۔

وزیر۔ ہاں جی بڑی خیر ہو گئی۔ لیکن لڑائی میں تو ایک نہ ایک دن یہ ہوتا ہی ہے اس میں میرا کیا قصور تھا۔

لالہ خانم۔ اچھا یہ تو بتائیے کہ وہ لڑکا یونہی زمین پر پڑا رہا اور آپ اپنی فتح کے نقارے بجاتے ہوئے یہاں تشریف لے آئے؟

وزیر۔ نہیں، خدام اس کو پالکی میں ڈال کر اس کی والدہ کے محل میں پہونچا آئے ہیں۔

(یہ سُنکر روشن اختر سے ضبط نہ ہو سکا اور بے اختیار اُس کے منہ سے قہقہہ کی آواز نکل جاتی ہے' وزیر غصہ سے بل کھاتا ہوا اُٹھتا ہے اور پردے کے پاس جاتا ہے' پردہ کو ہٹانے کے بعد اس کے تعجب کی کوئی انتہا نہیں ہوتی جب وہ عقیلہ بیگم اور روشن اختر کو ایک ہی جگہ کھڑا ہوا پاتا ہے۔ لالہ خاتون یہ دیکھکر کہ عقیلہ بیگم بھی وہیں موجود ہے، گھبرا جاتی ہے۔)

بارِ الٰہا میں اپنی آنکھوں سے یہ کیا دیکھ رہا ہوں (روشن اختر کو ڈانٹ کر) ارے تم یہاں کیا کر رہے ہو؟ تمہیں ہوش نہیں کہ یہ میرا محل ہے۔ بولو تم کس ارادے سے آئے ہو؟

(روشن اختر کوئی جواب نہیں دیتا، سر نیچا کئے ہوئے وہ پردے سے باہر آتا ہے اور باہر جانے کے لئے دروازے تک پہونچتا ہے کہ وزیر اُس کا شانہ پکڑتا ہے۔)

تم آگے ایک قدم بھی نہیں بڑھ سکتے۔ تمہیں بتانا ہوگا کہ تم یہاں کیوں آئے؟

روشن اختر۔ (اپنا ہاتھ چھڑاتے ہوئے) مجھے جانے دیجئے۔

وزیر۔ (پکڑتے ہوئے) ہرگز نہیں۔

(روشن اختر ایک جھٹکا دیتا ہے پھر اُس کے گریبان میں ہاتھ ڈال کر اُس کو زمین سے اُٹھا کر پھر زمین پر ہی دے پٹکتا ہے اور خود کمرے سے نکل جاتا ہے۔ وزیر کپڑے جھاڑ کر کھڑا ہو جاتا ہے اور عقیلہ بیگم پر برسنے لگتا ہے۔)

مُردار! یہ تو نے کیوں قیامت جوتی ہے۔

عقیلہ بیگم۔ میں نے کیا قیامت جوتی ہے؟ میرے فرشتوں کو بھی خبر نہیں کہ یہ کیا ہو رہا ہے اب بھی تمہاری آنکھوں پر سے پردے نہ اُٹھیں تو میں کیا کروں کیا نظر نہیں آتا کہ ان باتوں کا کیا مطلب ہے۔

وزیر۔ چُپ رہ گستاخ! اپنا عیب دوسروں کے سر تھوپتی ہے۔ بڑھاپے میں تیرے دیدوں کا پانی ڈھل گیا ہے۔ دیکھ تو تجھے کیسی سزا دیتا ہوں۔

عقیلہ بیگم۔ ہے ہے مجھے مجبور اور بیکس سمجھ کر دبا لیا ہے وہی مثل ہوئی کہ گدھے سے بس نہ چلے اور گدھیا کے کان اینٹھیں۔ میں نے کیا کیا ہے جس کی سزا مجھے ملے گی۔

وزیر۔ ارے اس سے زیادہ تو اور کیا کرے گی۔ آنکھوں میں دھول ڈال رہی ہے!

عقیلہ بیگم۔ ارے میں آنکھوں میں دھول ڈال رہی ہوں یا تمہاری لالہ خاتون! ذرا اس سے پوچھو تو ایک غیر مرد واس کے کمرے میں کیوں آیا؟

وزیر۔ بے شرمی کی انتہا ہو گئی پہلے میری بات کا جواب کیوں نہیں دیتی کہ تو ایک غیر مرد کے ساتھ پردہ کے پیچھے کیوں کھڑی ہوئی تھی۔

عقیلہ بیگم۔ بہت بہتر۔ میں اپنی صفائی پیش کرتی ہوں۔ آج تمہاری چہیتی بیگم نے میری ماما کو خواہ مخواہ بُرا بھلا کہا جب میں نے یہ سُنا تو میں سیدھی ان کے کمرے کی طرف آئی کہ اُن سے پوچھوں کہ اُن کے مُنہ میں کے دانت ہیں! اور یہ اس کو صلواتیں سنانے والی ہوتی کون ہیں۔ کیا وہ ان کا نمک کھاتی ہے یا میرا۔ کیا میں جھوٹ کہتی ہوں۔ خیر جب میں یہاں آئی تو میں نے کمرہ خالی پایا میں جانے کو مڑی ہی تھی کہ میں نے ان کو ایک اجنبی مردوے کے ساتھ باتیں

کرتے ہوئے اُس طرف آتے دیکھا۔ مجھے پردہ اپنی جان سے زیادہ پیارا ہے گیا کرتی گھبرا کر اس پردے کے پیچھے چھپ گئی۔ میں تو تم سے خود ہی جاکر رتی رتی حال کہنے والی تھی کہ تم خود ہی آ گئے مگر وہ نگوڑا بھی تمہیں دیکھکر اسی پردے کے پیچھے آکر کھڑا ہو گیا۔

وزیر:۔ اگر یہ واقعہ سچ ہے تو تم نے فوراً ہی پردے سے باہر نکل کر مجھے اس کی اطلاع کیوں نہ دی؟

عقیلہ بیگم:۔ کیا تم سمجھتے ہو کہ میرا بس چلتا تو میں یوں ہی خاموش کھڑی رہتی۔ ارے اس موئے نے میرے گلے پر چھری رکھدی تھی کہ اگر ادھر میرے منہ سے آواز نکلتی اور اُدھر وہ میرا کام تمام کر دیتا

وزیر:۔ لالہ خاتون! سچ سچ بتاؤ یہ مردود تمہارے پاس آیا تھا؟

لالہ خانم:۔ یہ تمہاری بڑھیا بیوی بڈھی طوطی کی طرح زبان دراز ہو گئی ہے جو جی میں آتا ہے بک دیتی ہے۔ مَیں کیا جانوں وہ نا ٹھا کون تھا اور کس کے پاس آیا تھا؟

وزیر:۔ ارے کیوں جھوٹ بولتی ہو؟ کیا تم نے روشن اختر کو کبھی نہیں دیکھا؟ مجھے معلوم ہے کہ تم اس کو اچھی طرح جانتی ہو۔

لالہ خانم:۔ روشن اختر! وہ یہاں کیسے آسکتا ہے؟ کیا یہ وہی روشن اختر تھا جسے تم نے ابھی ابھی نواب صاحب کے سامنے چاروں شانے چت کیا تھا اور خدام اُسے پالکی میں ڈالکر اس کی ماں کے گھر لے گئے تھے؟

وزیر:۔ تم بھی فضول باتیں کرنا سیکھ گئی ہو۔ میں جو پوچھتا ہوں وہ بتاؤ کہ روشن اختر تمہارے پاس آیا تھا یا نہیں؟

لالہ خانم:۔ نہیں! نہیں!! نہیں!!! اگر وہ مجھ سے ملنے آتا تو اس وقت پردے کے پیچھے عقیلہ بیگم کے بجائے میں کھڑی ہوئی ہوتی۔ بات دراصل یہ ہے کہ عقیلہ خانم کو معلوم تھا کہ آج میں حمام جا رہی ہوں اور میرا کمرہ خالی رہے گا اس لئے وہ اس کو اپنے ساتھ یہاں لیتی آئیں اس کے سوا ان کو یہ بھی معلوم تھا کہ ان کے محل میں آپ بھی آنے والے ہیں اس لئے اپنے کمرے میں بیٹھنا اُنکے لئے خطرناک بھی تھا لیکن خدا کا کرنا ایسا ہوا کہ حمام میں پانی پورا گرم نہیں ہوا تھا اس لئے میں اُلٹے پاؤں واپس آگئی اب ان کے لئے یہی علاج تھا کہ فوراً ہی پردے کے پیچھے چھپ جائیں اور جب نگاہ بچے تو فوراً نکل کر چلے جائیں سچی سچی بات تو یہ ہے میں کسی کا راز کھولنا نہیں چاہتی تھی لیکن آپ نے مجبور کیا ہے تو کہنا ہی پڑا۔

عقیلہ بیگم:۔ (دہائی دیکر) ہے ہے دہائی ہے۔ اے شتارہ تجھ پر آسمان پھٹ پڑے تجھ پر بجلی گرے۔ آہ میرے مولیٰ میں کیسے اپنی بیگناہی ثابت کروں اور اس جھوٹی سے کس طرح پیش لے جاؤں۔ بس میں اپنی جان ہی دیدونگی۔

لالہ خانم:۔ جان دیدو گی تو کسی کا کیا کرو گی۔ اس دھمکی سے ہم لوگ ڈرنے والے نہیں ہیں۔ تمہارے شوہر کو اللہ نے آنکھیں دی ہیں وہ خود جانتے ہیں کہ تم کیسی ہو اور میں کیسی ہوں۔

عقیلہ بیگم:۔ ہے ہے انصاف دُنیا سے اُٹھ گیا۔ اے اللہ! مَیں کیا کروں! یا اللہ مجھے موت آجائے تاکہ میں اس بدنامی سے بچوں۔ جب میرا شوہر ہی مجھے اس طرح رسوا کر رہا ہے تو مَیں کسی دوسرے کو کیا الزام دوں۔ ہوتا کوئی دوسرا مرد تو اس تہمت رکھنے والی کا منہ طمانچوں سے لال کر دیتا۔

لالہ خانم:۔ میرا منہ کیوں لال کرتا۔ اسے غیرت ہوگی تو تیری بوٹیاں چیل کووں کو کھلا دیگے۔ تُو نے ایسا کام کیا ہے کہ سر اُٹھانے کی جگہ نہ چھوڑی۔

وزیر:۔ (عقیلہ سے) حق تو یہ ہے کہ تجھے زندہ دفن کر دیا جائے۔ خیر اس کا فیصلہ بعد کو کیا جائے گا۔ لیکن سب سے پہلے میں نواب صاحب کے محل پر جاکر فریاد کرتا ہوں کہ وہ اپنے بھتیجے صاحب کے رنگ ملاحظہ کریں۔ رہ گیا تمہارا معاملہ تو تم جھوٹ بولنے میں اپنا جواب نہیں رکھتیں۔

عقیلہ بیگم:۔ خیر چلو، میں جھوٹی سہی۔ تم دونوں سچ کے پتلے ہو۔ تمہاری حقیقت اُسی وقت ظاہر ہو گئی جب آپ اپنی بہادری کا قصہ سُنا رہے تھے ——— واہ رے رستم۔

وزیر:۔ خبردار جو اَب بولی۔ دُور ہو یہاں سے۔

(عقیلہ جاتی ہے وہ اس کے جانے تک انتظار کرتا ہے
اس کے بعد لالہ خاتون کی طرف متوجہ ہوتا ہے۔)

وزیر:۔ لالہ! اب سچ سچ بتا دو۔

لالہ خانم:۔ تمہاری بھتی ہی کھاؤں اگر جھوٹ بولتی ہوں۔ مَیں اس پاک پروردگار کی قسم کھا کر کہتی ہوں کہ میں نے کوئی گناہ نہیں کیا۔

(اُسی وقت وحید خاں چاء کی کشتی اٹھائے ہوئے لاتا ہے
اور چاء کی پیالی تیار کر کے وزیر کی پُشت پر سے کہتا ہے)

وحید:۔ حضور والا! چاء حاضر ہے۔

وزیر:۔ (مڑتا ہے اس کی وجہ سے وحید کے ہاتھ سے چاء کی پیالی گر پڑتی ہے) گدھے! نکل جا یہاں سے۔ میرا سر چکر کھا رہا ہے اور ایسے موقع پر میں چاء پیونگا؟ مَیں نواب کے حضور میں جا رہا ہوں کہ اس معاملہ کا فیصلہ ہو جائے۔ اِدھر یا اُدھر۔ (وحید اپنے کپڑے پونچھ رہا ہے) دیکھو جلدی جاؤ اور میرا کالا لبادہ اور سُرخ گھوڑا ——— اوہ سُرخ لبادہ ——— خیر جو مناسب سمجھو لیتے آؤ۔ ہوا کی طرح جاؤ اور آؤ۔ سُنا۔

وحید:۔ جی ہاں حضور۔ ابھی تعمیل حکم کرتا ہوں۔

(وحید جاتا ہے اُسکے جانیکے بعد وزیر بھی لنگڑاتا ہوا جاتا ہے)

لالہ خانم ۔ مولیٰ تیرا لاکھ لاکھ شکر ہے، کہ تُو نے آبرو رکھ لی۔ (دریا خاتون داخل ہوتی ہے۔) دریا! غضب ہو گیا تمہارے دولہا بھائی نے روشن اختر کو عقیدہ بیگم کے ساتھ پردے کے پیچھے کھڑا دیکھ لیا۔

دریا ۔ اے ہٹئے، بھلا ان کو عقیدہ بیگم سے کیا واسطہ۔

لالہ خانم ۔ مجھے نہیں معلوم کہ عقیدہ بیگم کس وقت میرے کمرے میں پردے کے پیچھے جا کر چھپ گئی۔ خیر آج اُسی کی وجہ سے میری آبرو رہ گئی۔ جو دوسروں کے لئے کانٹے بوتا ہے وہی اُن میں اُلجھتا بھی ہے جو لوگ تمام دُنیا کو خراب اور خود کو اچھا خیال کرتے ہیں خُدا اُن کو یوں ہی ذلیل کرتا ہے۔ لیکن اب روشن اختر کی خیر مناؤ، نواب اسکی جان کا یوں ہی لاگو ہو رہا ہے اب یہ سُنکر تو وہ آگ بگولہ ہی ہو جائیگا۔ کہیں کچھ کر نہ بیٹھے۔

دریا ۔ باجی! مجھے کوئی ڈر نہیں ہے نواب اُن کا بال بیکا نہیں کر سکتا۔ اللہ میں سب قدرت ہے۔ وہی مظلوموں اور بیکسوں کا مددگار ہے۔ (بہن کے گلے میں بانہیں ڈال کر) جو ہونا تھا وہ ہو چکا۔ چلئے اماں جان طلب کرتی ہیں وہاں جا کر ہم وحید خاں کو نواب کے محل کی طرف دوڑا دینگے۔ وہ ہمیں سب باتوں سے اطلاع دے گا کہ ان دونوں میں کیا کیا مشورے ہوتے۔

(دونوں جاتی ہیں)

تیسرا ایکٹ

ٹمبکٹو کے نواب کا دربار۔ دریا کے کنارے محل میں۔

مرزا شہرت ہاتھ میں عصا لئے ہوتے۔ سیدی جعفر اور مرزا برکت ہاتھ باندھے ہوئے کھڑے ہیں۔ نواب صاحب کرسیِ عدالت پر رونق افروز ہیں۔

نواب ۔ آج مطلع صاف معلوم ہوتا ہے۔

مرزا برکت ۔ عالیجاہا! ۔۔۔ برکھا کے ڈیرے جا رہے ہیں۔

نواب ۔ تو پھر آج چاندنی کا جشن منائیں۔

مرزا برکت ۔ دریا کے کنارے۔

نواب ۔ بجرے میں۔

مرزا برکت ۔ رقص و سرود کے ساتھ۔

نواب ۔ ماہتاب اور دریا کی چھیڑ چھاڑ سے لطف اُٹھائیں۔

مرزا برکت ۔ بسر و چشم ۔ (جاتا ہے)

نواب ۔ عرض بیگی! فریادیوں کو حاضر کرو۔

مرزا شہرت ۔ حضور کا نیّرِ اقبال درخشندہ رہے ۔۔۔ سیدی جعفر! فریادیوں کو باری باری سے حاضر کرو۔

(سیدی جعفر دو آدمیوں کو حاضر کرتا ہے اور آداب بجا لا کر خود سامنے دست بستہ کھڑا ہو جاتا ہے۔)

فریادی ۔ حضور کے جان و مال سلامت رہیں۔ کمترین ایک فریاد لایا ہے۔

نواب ۔ عرض کرو۔

فریادی ۔ خداوند! آج صبح کو یہ فدوی اپنے گھوڑے کو دریا کنارے پانی پلانے کے لئے لے گیا۔ شومئ قسمت سے اس عاجز کے ہاتھ سے گھوڑے کی لگام چھوٹ گئی اور جانور طرارے بھرتا ہوا فدوی کی آنکھوں کے سامنے سے نکلا چلا گیا۔ یہ مجبور سوائے ہاتھ ملنے کے اور کیا کر سکتا تھا۔ ناگاہ سامنے سے یہ شخص (دوسرے شخص کی طرف اشارہ کرتے ہوتے) نظر آیا۔ بارے اس لاچار نے خیال کیا کہ انسان کا کام مصیبت میں ایک دوسرے کی مدد کرنا ہے، اس لئے تکلف کو بالائے طاق رکھکر اس کمترین نے "نعرۂ مدد" بلند کیا۔ اور اس مردِ خدا سے چلا کر کہا کہ ۔ بھائی! تجھے واسطہ خُدا، ذرا اس گھوڑے کے رُخ کو پھیر دے ۔۔۔ بموجب اس فریاد کے یہ شخص زمین پر جھکا، ایک پتھر اُٹھایا اور جانور کی طرف کھینچ مارا۔ آہ! پتھر کا لگنا تھا کہ بدنصیب گھوڑا یکبارگی رُک گیا کیونکہ اُس کی داہنی آنکھ پتھر کی ضرب کاری سے زخمی ہو چکی تھی۔ اب یہ جانور ایک آنکھ کا ہو گیا ہے اس لئے اُسکے مالک کے لئے منحوس بھی ہے اور بیکار بھی ۔۔۔ یہ کمترین فریاد کرتا ہے کہ ازروئے انصاف اس گھوڑے کی قیمت دلوائی جائے۔ تاکہ حضور کا نام نوشیروانِ عادل کے نام سے سبقت لے جائے۔

نواب ۔ (دوسرے شخص کی طرف دیکھکر) تم کو اس بارے میں کچھ کہنا ہے۔

مدعا الیہ ۔ حضور جو کچھ اس شخص نے بیان کیا سب سچ ہے۔ لیکن یہ کیسے ثابت کر سکتا ہے کہ میں نے جان بوجھ کر اسکے گھوڑے کو کانا کر دیا۔ مَیں تو اس کی مدد کرنا چاہتا تھا۔

نواب ۔ بکومت۔ نیت کا علم سوائے خدا کے کسی اور کو نہیں ہو سکتا۔ قانون ظاہری باتوں کا فیصلہ کر سکتا ہے اندرونی باتوں کا نہیں۔ جہاں تک کہ واقعات کا تعلق ہے تم مجرم ثابت ہوتے ہو کیونکہ تمہارا جھکنا، پتھر اُٹھانا اور اس کو گھوڑے کی طرف رُخ کر کے پھینکنا ظاہر کرتا ہے کہ تم جانور کو ضربِ شدید پہونچانا چاہتے تھے۔ وگرنہ پتھر میں اتنی طاقت نہیں کہ وہ خود بخود اُٹھکر گھوڑے کی آنکھ کو زخمی کر دے ۔۔۔ کیا تمہارے پاس بھی گھوڑا ہے؟

مدعا الیہ ۔ ہے خداوند!

نواب۔ (فریادی سے) تم جاؤ اور اس کے گھوڑے کی داہنی آنکھ پھوڑ دو۔ یہی انصاف کا تقاضہ ہے کہ آنکھ کے بدلے آنکھ اور دانت کے بدلے دانت دیا جائے۔ کوتوال! اپنے دو پیادوں کو اس شخص کے مکان پر تعینات کر دو تاکہ انکے سامنے ہی اس کے گھوڑے کی آنکھ پھوڑ دی جائے۔

(کوتوال ازروئے تعظیم جھکتا ہے۔ دو پیادوں کو فریادی کے ساتھ جانے کا حکم دیکر واپس آتا ہے۔)

مرزا بیگ۔ سیدی جعفر! دوسرے فریادیوں کو حاضر کرو۔

(سیدی جعفر دو آدمیوں کو حاضر کرتا ہے)

فریادی۔ حجور کا ترقی ہو۔ اَمچا ایک پھریاد آ ہے۔

نواب۔ کہو!

فریادی۔ حجور اَمچا بھائی دکھی ہوا تو ہم آدمی لوگ سے پوچھا کہ تمھے دیس میں دوا دارو کون کرتا آ ہے۔ اُن لوگ نے ہمارے کو یہ حکیم (دوسرے آدمی کی طرف اشارہ کرتے ہوئے) کا پتہ بتلائے۔ ہم ان کے پاس جا کو بولا کہ تم ہمارے گھر چلنے سکتا ہے۔ یہ بولا کہ ہم تین روپیئے پھیس لیتا ہے۔ ہم جھٹ سے کھیسہ تپاس کو تین روپیہ نکالا اور اس کے ہاتھ اُپر رکھدیا۔ یہ اچھے بھائی کو تپاس تپوس بولا کہ ہم اس کا پھسد کھولیگا۔ ہم بولا تمہارا جو مرجی۔ یہ کھیسہ میں سے چھرا نکالا اور ہمارے بھائی کے پیٹ پہ رکھکر کھوب ٹونچے مارا۔ ہم دیکھا کہ جیسے کھول کا پھوارہ چھوٹ گیا پن ادھر کھون نکلتا تھا اور اُدھر ہمارے بھائی کا جان نکلتا تھا۔ تھوڑی دیر میں ہمارا بھائی مرگیا۔ ہمارے کو وہ گصہ چڑھا کہ وہی چھری سے اس حکیم کا جان لے لے پن ہم ٹھنڈا پڑا اور اس سے ارج کیا کہ "دیکھ بھائی! تو نے اُس کا جان لیا تو کیہ! پن ہمارے تین روپئے گپ چپ دیدے" پن یہ ہمارے سے مارا ماری کرنے کو لگا۔ اب آپ اس کا کچھ بھی مانڈوال کرو۔

نواب۔ (حکیم کی طرف متوجہ ہو کر) کیوں حکیم صاحب! کیا معاملہ ہے؟

حکیم۔ خداوند جل شانہ ہم سب پر اپنا رحم و کرم بحال رکھے (ڈاڑھی پر ہاتھ پھیر کر) اور ہم سب کو اپنی حفظ و امان میں لے ——— ہم بندگانِ عاصی کی دلی دعا ہے کہ یہ دنیا امراض مہلکہ سے پاک صاف رہے تاکہ اس کے بندے تندرست رہیں۔

نواب۔ مختصر ارشاد فرمایئے۔ کیا آپ نے اس شخص کے بھائی کی فصد کھولی؟

حکیم۔ جی ہاں حضور نواب صاحب! اسی احقر نے اس کے بھائی کی فصد کھولی ہے۔ اسی مریض پر کیا منحصر ہے۔ یہ احقر ہر مریض کا علاج فصد ہی کے ذریعے کیا کرتا ہے۔ اور دنیا اس احقر کے کمال کا لوہا مانتی ہے۔ چھوٹا منہ بڑی بات ہو گی لیکن یہ احقر دعویٰ کر سکتا ہے کہ فصد کھولنے کے طریقے جیسے اس احقر نے ایجاد کئے ہیں ویسے روم، شام، فلسطین، فرنگستان، آمرستان جرمنستان ———،

نواب۔ خیر اپنی اس تان کو رہنے دیجئے۔ لیکن آپ کا کمال تو اسی سے ظاہر ہے کہ وہ مریض مر گیا۔

حکیم۔ حضور نواب صاحب قبلہ! حکیم کا کام علاج کرنا ہے اور خداوند جل شانہٗ کا کام شفائے کلی مرحمت فرمانا۔ لیکن اتنا مجھے عرض کرنے کی اجازت مرحمت کیجئے کہ اگر یہ احقر مریض کی فصد نہ کھول دیتا تو مریض کی حالت اس سے بھی بدتر ہو جاتی۔ وہ تو کہیئے کہ خدا نے خیر کر لی اور یہ معاملہ صرف موت ہی پر ٹل گیا۔ کیا میں حضور کی سرکار سے انصاف طلب کر سکتا ہوں کہ اس احقر کو مریض کے وارثوں سے کچھ اور رقم دلوا دی جائے تاکہ جتنی محنت احقر نے اس کام میں کی ہے اُس کا صلہ مل جائے۔

نواب۔ (قہقہہ مار کر) حکیم صاحب! کیا آپ کے قانون میں موت سے زیادہ مہلک مرض بھی موجود ہے۔

حکیم۔ سرکارِ عالی۔ موت سے زیادہ مہلک مرض روپے کا خرچ ہے۔ یہ احقر دعویٰ کرتا ہے کہ اگر احقر اس مریض کی فصد نہ کھولتا تو وہ کم از کم ایک سال اور زندہ رہتا اور اس کی دوا دارو کا خرچ اتنا ہوتا کہ اسکے بھائی کی کمر ٹوٹ جاتی۔ آہ دنیا سے انصاف اٹھ گیا ہے۔ احقر نے اس مریض کو ہلاک کر کے اسکے بھائی پر اتنا بڑا احسان کیا ہے کہ ..... !

نواب۔ بار الٰہ (چاروں طرف دیکھ کر) دنیا کے جتنے پیچیدہ مقدمے ہوتے ہیں وہ سب تیری ہی عدالت میں آتے ہیں۔ عقل کام نہیں کرتی کہ اس کا فیصلہ کس طرح کیا جائے تاکہ قانون اور انصاف کا خون نہ ہو اور دونوں فریقین اس عدالت سے راضی خوشی جائیں۔

ایک درباری۔ حضور پر قربان ہو جاؤں ——— سرکار! حکما کا طبقہ خدا کے برگزیدہ بندوں میں سے شمار کیا جاتا ہے۔ کیونکہ اُن کی زندگی کا لمحہ لمحہ خلقِ خدا کی خدمت میں گذرتا ہے، اور پھر خاص طور سے یہ حکیم صاحب تو اپنے وقت کے بقراط و جالینوس ہیں۔ یہ غلام ان کے کمال کا معترف ہے۔ اس لئے مدعی کو حکم دیا جائے کہ وہ ان کی خدمت میں ایک بنارسی پگڑی اور جامہ وار کا لبادہ پیش کرے۔

نواب۔ میرا بھی یہی خیال تھا۔ اور اب تو جب تم سفارش کر رہے ہو تو میرے اوپر فرض ہو گیا ہے کہ حکیم صاحب کے ساتھ انصاف کروں (مدعی سے) دیکھو جی! سنتے ہو ——— ابھی جا کر حکیم صاحب قبلہ کی خدمت میں ایک بنارسی پگڑی اور جامہ وار کا لبادہ پیش کرو تاکہ وہ تم سے راضی رہیں خبردار! جو تم نے کسی حکیم کو ناراض کیا۔ مرزا برکت! ایک پیادے کو بلا کر

حکم دو کہ یہ اس آدمی کے ساتھ جاکر حکیم صاحب کے لئے پگڑی اور لبادہ وصول کر لے۔

(مرزا برکت حاضر ہوتا ہے۔ لیکن اسی موقع پر وزیر ہانپتا کانپتا دربار داخل ہوتا ہے اور نواب صاحب کے سامنے پہونچکر اپنا قلمدان جیب میں سے نکالکر سامنے فرش پر رکھ دیتا ہے۔)

وزیر:۔ حضور کے دوست سرسبز اور دشمن پامال ہوں اور خداوند کا نیر اقبال درخشندہ رہے۔ یہ قلمدان وزارت آپکے سپرد کرتا ہوں اور وزارت کی خدمات سے سبکدوشی چاہتا ہوں۔ مجھے میری خدمتوں کا صلہ مل چکا اب حضور جس کو جی چاہے وزیر بنا دیں۔ میری قسمت کا پانسہ پلٹ چکا ہے اور اب میں اس آباد شہر سے جلاوطن ہوکر در در کی ٹھوکریں کھانا منظور کروں گا۔

نواب:۔ وزیر! کیوں کیوں! خیر تو ہے۔ آخر یہ ہوا کیا۔

وزیر:۔ حضور کا اقبال ہے کہ تمام سلطنت میں شیر بکری ایک گھاٹ پانی پیتے ہیں اور کبھی کسی کی مجال نہیں ہے کہ کسی غریب کی طرف آنکھ بھر کر دیکھ لے لیکن خود آپ کے بھتیجے ہیں کہ کچھ نہ پوچھئے۔ وہ لوگوں کے دل دکھانے کے سوا اور کچھ جانتے ہی نہیں۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ انکی نظروں میں بادشاہ اور اس کے قانون کی کوئی وقعت ہی نہیں۔ اب انتہا ہوگئی کہ انہوں نے مجھ تک کو نہ چھوڑا اور دن دہاڑے میرے محل میں داخل ہوکر میری بیگم کی عزت کے درپے ہوئے۔ آہ!

نواب:۔ اے تم کیا کہہ رہے ہو وزیر۔ کیا روشن اختر نے ایسی جرأت کی؟

وزیر:۔ جی ہاں حضور۔ اگر میں غلط بیانی سے کام لے رہا ہوں تو آج ہی خون میری رگوں سے پھوٹ پھوٹ کر نکلے۔ یہ سب کچھ میں نے اپنی ان آنکھوں سے دیکھا ہے۔ میں ان کو آپ کے حضور میں لانا چاہتا تھا۔ مگر وہ مجھے دھکا دیکر بھاگ گئے۔

نواب:۔ مرزا شہرت! ابھی جاکر روشن اختر کو بلا لاؤ۔ دیکھو اس واقعہ کا کوئی ذکر نہ کرنا۔ (مرزا شہرت تعظیم بجا لاتا ہے) وزیر! تم اطمینان رکھو میں اس کو ایسی سزا دونگا کہ جس سے تمام دنیا کو عبرت حاصل ہوگی۔

وزیر:۔ ملک آباد دولت زیادہ۔ حضور نے اس وقت شاہان سلف کی آبرو رکھ لی۔ وہ حق اور انصاف کے معاملے میں اپنی اولاد تک کی رو رعایت نہیں کرتے تھے۔ اسلامی تاریخ ان واقعات سے خالی نہیں ہے۔ سلطان محمود غزنوی نے اپنے ایک بڑے درباری کو محض اس قصور پر قتل کر دیا تھا کہ وہ ایک غریب آدمی کی بیوی کو بری نیت سے دیکھتا تھا۔ سلطان شیر شاہ سوری نے اپنے لڑکے کو سخت سزا دی تھی کیونکہ اس نے ایک بیاہی لڑکی سے عشق جتایا تھا۔ خدا اُن کی پاک روحوں پر رحمت نازل کرے۔ وہ مرچکے ہیں لیکن اُن کے انصاف کی یاد ابھی تک تازہ ہے۔

نواب:۔ وزیر! تم خود دیکھ لوگے کہ تمہارا نواب بھی سلطان محمود اور شیر شاہ سوری سے انصاف کے معاملے میں پیچھے نہیں رہیگا۔ اور خاص طور سے اس معاملہ میں۔ معاذاللہ۔

(مرزا شہرت اور نواب زادہ روشن اختر داخل ہوتے ہیں۔ تعظیم بجالاتے ہیں۔ نواب صاحب روشن اختر کی طرف متوجہ ہوتے ہیں۔)

نواب:۔ کیا تمہیں اس بات کی ہدایت نہیں مل چکی ہے کہ تم میرے حضور میں تلوار کے ساتھ نہ آیا کرو؟

روشن اختر:۔ لیکن میرے پاس تو تلوار نہیں ہے۔

نواب:۔ خیر میں سمجھا کہ تمہارے پاس تلوار تھی۔ ہاں یہ تو فرمایئے کہ آپ وزیر صاحب کے محل میں کیوں تشریف لے گئے تھے۔ (روشن اختر سر جھکا لیتا ہے) ہوں! اب تو مجھے سارے زمانہ میں بدنام کریگا کہ نواب کے بھتیجے صاحب بلند اقبال کے یہ کرتوت ہیں۔ لیکن مجھے تم جیسے بھتیجوں کے ہونے سے نہ کوئی فائدہ ہے اور نہ ہونے سے کوئی نقصان۔ (تالی بجاکر) کوئی ہے! شال لاؤ۔ (چار زنگی سپاہی ایک لمبی کشمیری شال لیکر آگے بڑھتے ہیں اور حکم کا انتظار کرتے ہیں۔) اس بدکردار کے گلے میں پھندا ڈال کر گرا دو۔

(جوں ہی زنگی سپاہی شال لیکر آگے بڑھتے ہیں تاکہ بدقسمت نواب زادے کا گلا گھونٹ دیں۔ اسی وقت تمام دربار میں تہلکہ مچ جاتی ہے اور گریہ وزاری کی صدائیں بلند ہونے لگتی ہیں۔)

سب:۔ حضور خداوند۔۔۔ رحم! رحم! خدا کے واسطے اس کی جوانی پر ترس کھایئے۔

نواب:۔ قسم ہے اپنے جد امجد کی۔ میں کبھی معاف نہ کروں گا!۔۔۔ چلو شال اٹھاؤ۔

(زنگی سپاہی ذرا اور آگے بڑھتے ہیں۔ گریہ وزاری کی صدائیں اور بلند ہوتی ہیں اور تمام حاضرین خود کو فرش پر گرا کر ہاتھ جوڑ جوڑ کر منت کرنے لگتے ہیں۔)

سب:۔ رحم! رحم! خداوند اپنا حکم واپس لیں! وہ اپنی ماں کا ایک ہی ہے حضور للہ معاف کر دیجئے۔ (روتے ہیں)

نواب:۔ ہرگز نہیں۔ ہرگز نہیں۔ ادھر کی دنیا ادھر ہو جائے تب بھی میں باز

حکم کو واپس نہیں لونگا۔ (درباریوں کی ہمدردی پر وہ غصہ سے بل کھانے لگتا کر فراشوں کو ڈانٹ کر) نابکارو! بہرے ہوگئے ہو۔ میرے حکم کی تعمیل کیوں نہیں کرتے۔

(ہاتھوں میں شال لپیٹ کر وہ آگے بڑھتے ہیں۔ روشن اختر فوراً ہی اپنے ہاتھ پشت پر لے جاکر اپنی کمر سے پستول نکال لیتا ہے اور اُس کا رُخ آگے بڑھتے ہوئے سپاہیوں کی طرف کر دیتا ہے، وہ فوراً پیچھے ہٹ جاتے ہیں۔ روشن اختر ان آدمیوں کو جو اُسے پکڑنے کے لئے بڑھتے ہیں دھکّہ دیکر صاف نکل جاتا ہے۔)

نواب۔ خبردار! لینا۔ پکڑنا! گھیر کے مار لو کمبخت کو۔ (تمام لوگ ادھر اُدھر دوڑنا شروع کرتے ہیں لیکن روشن اختر کا پیچھا کوئی نہیں کرتا۔) سب نمک حرام ہیں۔ آخر اُسے پکڑا کیوں نہیں؟ (سب خاموش رہتے ہیں) مرزا شہرت! (مرزا شہرت آگے بڑھکر سامنے آتا ہے۔) جلدی کرو۔ اپنے ساتھ پچاس سوار لیکر روشن اختر کا تعاقب کرو اور دُنیا میں جہاں ملے وہاں سے گرفتار کرکے لاؤ۔ میں جب تک اُسے اپنے سامنے قتل نہ کرالوں گا اس وقت تک مجھ پر دانہ پانی سب حرام ہے!

مرزا شہرت۔ بسر و چشم! (باہر جاتا ہے)

نواب۔ (دربار کے اُمراسے) دربار برخاست کیا جاتا ہے۔

(سب چلے جاتے ہیں۔)

مرزا برکت! (مرزا برکت سامنے آتا ہے) بجرہ تیار ہے؟

مرزا برکت۔ تیار ہے خداوند!

نواب۔ (اُٹھتے ہوئے) تم جاؤ اور مجھ پر بھروسہ رکھو۔ مجرم کو سزا دینے میں نہ تو تاخیر کی جائے گی اور نہ غفلت ——— یہ لو! یہ دریا خانم کے لئے انگوٹھی ہے۔ آج ہی تیار ہوکر آئی ہے۔ اب جاکر تقریب نکاح کی تیاریاں کرو کیونکہ مابدولت اسی ہفتہ میں اُس کی تکمیل کرنی چاہتے ہیں۔

وزیر۔ بسر و چشم!

(وہ آداب بجالاکر باہر جاتا ہے۔ نواب اور مرزا برکت کشتی میں سوار ہوکر دریا کی سیر کیلئے روانہ ہوتے ہیں)

چوتھا ایکٹ

(لالہ خاتون کی حویلی۔ لالہ خاتون اور دریا خاتون آپس میں سرگوشیاں کررہی ہیں۔ دونوں بہت متفکر معلوم ہوتی ہیں۔)

دریا خاتون۔ اللہ جانے کیا گزری ہوگی؟ مسعود بھی پلٹ کر نہیں آیا۔ جو کچھ خیر خبر ملتی۔ باجی! دل ہیں پکھے سے لگے ہوتے ہیں۔ اے اللہ!

لالہ خاتون۔ کیوں گھبرانے کی کیا بات ہے۔ سب اچھا ہی ہوگا ——— ایں روشن اختر کی بات تو تم خود مجھ سے کہہ چکی ہو کہ نواب اُن کو ہاتھ تک نہیں لگا سکتا۔

دریا خاتون۔ جانتی ہوں باجی۔ مگر اس دل کو کیا کروں۔

لالہ خاتون۔ سمجھاؤ۔

دریا خاتون۔ باجی! خدا نہ کرے کہیں ایسا تو نہ ہوگا کہ میں جیتے جی اُن سے جُدا کردی جاؤں ——— میں تو بے موت مرجاؤنگی۔

(مسعود داخل ہوتا ہے)

لالہ۔ مسعود! کیا خبر لائے؟ جلدی بتاؤ۔ سب خیریت ہے نا؟

مسعود۔ جی ہاں خیریت ہے بیگم صاحب! وزیر صاحب نے نواب صاحب کے سامنے خوب فریاد کی۔ چھوٹے نواب بُلوائے گئے۔ نواب صاحب نے اُن کو دیکھتے ہی سپاہیوں کو حکم دیا کہ ان کو شال اُڑھاؤ۔ چھوٹے نواب نے یہ رنگ دیکھکر پستول نکال لیا۔ وہ بھاگڑ مچی ہے کہ یاد رہے گی۔ اور چھوٹے نواب صاحب یہ جا وہ جا۔ آنکھ جھپکتے میں غائب ہی تو ہوگئے ——— اب نواب صاحب نے پچاس سواروں کا دستہ اُن کے تعاقب میں بھیجا ہے۔ سارے شہر کی ناکہ بندی کر دی گئی ہے اور تمام مکانوں کی تلاشی ہورہی ہے۔

(دریا خاتون یہ سنتے ہی سسکیاں لینے لگتی ہے۔ دروازہ کھلتا ہے اور روشن اختر اندر داخل ہوتا ہے)

لالہ خاتون۔ ہے ہے یہ کیا غضب ہے۔ نیکی اترے تمہارے اوپر۔ یہ کیسا جگرا ہے۔ جان کا خوف بھی نہیں ہے کہ یوں کھلے خزانے دندناتے پھر رہے ہو۔

روشن اختر۔ (مسکراکر) آخر ہوا کیا ہے جو میں منہ چھپاکر بیٹھوں۔

لالہ خاتون۔ آخر کیا باقی رہ گیا ہے۔ سب کچھ تو ہوچکا۔ سوار تمہارے پیچھے پیچھے پھر رہے ہیں کہ تمہیں خدا نہ کرے گرفتار کرکے نواب کے سامنے لے جائیں اور تم ہو کہ سر ہتیلی پر لئے گھوم رہے ہو ——— مسعود! خدا کیلئے ذرا باہر جاکر کھڑے ہوجاؤ۔ ایسا نہ ہو کہ کوئی آجائے۔

(مسعود باہر جاتا ہے۔)

روشن اختر۔ میں تو اُن پرسے اپنا سر نچھاور کرچکا ہوں۔ پھر یہ کیسے ہوسکتا تھا کہ آج میں موت کے ڈر سے اُن کی زیارت سے باز رہتا۔ مجھے

ایک کام اور بھی تو ہے۔ میں یہ کہنے آیا تھا کہ آج رات کو میں انہیں یہاں سے لے جاؤں گا۔ کیونکہ اب میں اپنی منگیتر کو یہاں کیسے چھوڑ سکتا ہوں۔ میں تو اب یہاں بار بار آنے سے رہا۔ پھر خدا معلوم میرے پیچھے کیا ہو اور کیا نہ ہو۔

لالہ خاتون۔ ہاں بھئی ٹھیک ہے! تم ان کو لے ہی جاؤ۔ مگر یوں دن دہاڑے چلا آنا تمہاری نادانی تھی۔ تم عقیلہ بیگم کو نہیں جانتے کہ وہ کیسی بلا ہے بے درماں ہے۔ نہ معلوم اُس نے ہمارے اوپر کتنے جاسوس بٹھا دیے ہونگے۔ اس کے کانوں میں اگر ذرا سی بھنک بھی پڑ گئی تو وہ تمہیں فوراً گرفتار کرا دیگی اور مجھے بدنام کرنے میں کوئی دقیقہ اُٹھا نہ رکھے گی۔ اچھا اب تم خیر سے سدھارو۔ رات کے بارہ بجے پھاٹک پر گھوڑا لیکر آ جانا۔ میں دریا خاتون کو تمہارے پاس پہونچا جاؤں گی۔

روشن اختر۔ کیوں دریا خاتون! تمہیں کوئی اعتراض تو نہیں ہے؟

دریا خاتون۔ جی نہیں مجھے کوئی اعتراض نہیں۔ اس کے سوا اور کر ہی کیا سکتے ہیں۔

مسعود۔ (دروازے کے باہر سے) ارے غضب ہو گیا! وزیر ادھر ہی آ رہے ہیں۔

دریا خاتون } **لالہ خاتون** } ہے ہے کیا کروں۔ اے میرے مولیٰ عزت اور جان آپ ہی کے ہاتھ ہے — روشن اختر! اس پردے کے پیچھے چھپ جاؤ۔ خدا کے لئے جلدی کرو۔ پھر ہم کوئی ترکیب سوچیں گے کہ انہیں کس طرح یہاں سے ٹالیں۔

روشن اختر۔ (اطمینان سے) میں اور پردے کے پیچھے جا کر چھپوں؟ — آنے دیجئے اُن کو — میرا کیا کرینگے۔

دریا خاتون } **لالہ خاتون** } (قدموں پر گرتے ہوئے) خدا کے لئے اپنی جوانی پر رحم کرو۔ تمہیں قسم ہے اپنے جد کی کہ اس پردے کے پیچھے چلے جاؤ آخر اس میں کیا ہو جائے گا؟

روشن اختر۔ ہرگز نہیں۔

مسعود۔ (دروازے میں اپنا سر ڈال کر) ارے وزیر صاحب آن پہونچے۔

دریا خاتون } **لالہ خاتون** } ہائے کیا کروں۔ خدا کے لئے اب بھی کہا مان لو۔ ارے ہماری جانوں پر رحم کھاؤ۔ تم تو اپنی جان بچا بھی لوگے۔ مگر ہم کیا کریں گے۔ ہائے اب وزیر نہیں چھوڑے گا — ہم تو بے موت مریں گے۔

روشن اختر۔ خیر آپ کی خاطر سے یہ بھی کرنے کو تیار ہوں۔

(روشن اختر پردے کے پیچھے جاتا ہے اور وزیر اندر آتا ہے)

وزیر۔ خدا کا شکر ہے کہ تم دونوں آج ایک ہی جگہ موجود ہو — مجھے تم سے بڑی ضروری باتیں کرنی ہیں۔ لالہ خاتون تمہیں مبارک ہو کہ تمہاری بہن نواب سے منسوب ہو چکی ہیں۔ اب تمہیں چاہیئے کہ اپنے مرتبے کو دیکھتے ہوئے اپنی عزت کا پاس کرو اور کوئی ایسی بات نہ ہونے دو جس سے ہمارے نام پر داغ آئے۔ اب میں نہ سنوں کہ کوئی تمہارے پاس میری بغیر اجازت کے آتا ہے۔

لالہ خاتون۔ (اطمینان سے) مہربانی فرما کر ذرا مجھے تو بتائیے کہ وہ کون ہے جو میرے پاس آپکی بغیر اجازت کے آتا ہے؟

وزیر۔ مثلاً روشن اختر! جسے میں نے تمہارے کمرے میں دیکھا تھا۔

لالہ خاتون۔ ہاں جو آپکی بیگم عقیلہ بیگم سے ملنے آیا تھا اور آپ کو دیکھکر پردے کے پیچھے چھپ گیا تھا۔

وزیر۔ ہاں ہاں، میں کب کہتا ہوں کہ وہ تمہارے پاس آیا تھا۔ میں خوب جانتا ہوں کہ یہ واقعہ عقیلہ بیگم کی وجہ سے ہوا۔ لیکن میں نے جو کچھ بھی تم سے کہا ہے اس کا مطلب صرف اتنا جتا دینا تھا کہ کہیں نواب کا دل دریا خاتون کی طرف سے ہٹ نہ جائے۔ آج انہوں نے مجھے حکم دیا ہے کہ میں سب تیاریاں کر لوں تاکہ آئندہ ہفتے تک شادی ہو جائے — اور یہ لو نواب صاحب کی طرف سے تحفہ — انگوٹھی کا — دریا خاتون اِدھر آؤ۔ شرماؤ نہیں۔ اسے اپنی انگلی میں پہن لو۔

(وہ دریا خاتون کے ہاتھ پر انگوٹھی پہنا دیتا ہے)

دریا خاتون۔ لیکن جس لڑکی کی بہن بدنام ہو چکی ہے اب وہی نواب صاحب کی بیگم بنے گی۔ توبہ کیجئے! آپ نواب صاحب کی بڑی ہتک کر رہے ہیں۔ یہ لیجئے انگوٹھی۔ اسے سینت کر رکھئے اپنے پاس اور جب نواب صاحب کے قابل لڑکی مل جائے تو اس کی انگلی میں پہنا دیجئے گا۔

(وہ انگوٹھی لیکر وزیر کے سامنے زمین پر ڈال دیتی ہے اور خود کمرے سے باہر چلی جاتی ہے)

وزیر۔ (پکارتے ہوئے) ارے کچھ دیوانی ہو گئی ہے لڑکی! آخر میں نے تمہاری بہن پر کونسا الزام رکھا ہے؟ میں نے جو کچھ بھی کہا تھا وہ ایک مشورے کے طور پر تھا اور معاملہ کی اونچ نیچ دکھانا مردوں ہی کا کام ہے۔

لالہ خاتون۔ لیکن یہ اونچ نیچ آپ میرے بجائے عقیلہ بیگم کو دکھاتے تو اچھا ہوتا؟

وزیر۔ ہاں کیوں نہیں۔ کل ہی لو۔ ایسی ڈانٹ بتائی ہو کہ وہ بھی عمر بھر یاد ہی تو رکھے گی۔ میں تم سے وعدہ کرتا ہوں۔ اب تو مان لو۔

لالہ خاتون۔ آخر کل کیوں؟ آج ہی کیوں نہیں؟

وزیر۔ اب اس کا کوئی موقع ہی نہیں ہے۔ جانے دو۔ تھوک ڈالو غصہ۔

ہم نے مانا کہ روشن اختر کا اُس سے تعلق تھا۔ لیکن اس کئے کی اُسے کافی سزا
مل چکی ہے۔ اگر وہ گرفتار کر لیا گیا تو فوراً قتل کر دیا جائے گا۔ اور اگر وہ بھاگ
گیا تو عمر بھر جلاوطن رہیگا اور در در کی ٹھوکریں کھا کھا کر آپ ہی مر جائیگا۔
چلو چھٹی ہوئی۔ معاملہ خود بخود ختم ہو گیا اب اس میں سر کھپانے کی ضرورت
ہی کیا ہے۔ اب جو ہمیں کام کرنا ہے وہ دریا خاتون کی شادی کی تیاری ہے۔
مَیں کہے دیتا ہوں کہ ایسا موقع اگر ہاتھ سے نکل گیا تو عمر بھر ہاتھ ملتی
رہوگی۔

لالہ خاتون۔ تو جاؤ بیگم اماں سے بات چیت کرو۔ مَیں کیا جانوں۔

وزیر۔ اچھا تو جاؤ، بیگم اماں کو بُلا لاؤ۔ ہم سب مل کر اس معاملہ کو
طے کرلیں گے۔

(اسی موقع پر دروازہ کھلتا ہے اور ریحانہ خاتون
اپنی لڑکی دریا خاتون کے ساتھ اندر داخل ہوتی ہیں۔
وزیر کھڑے ہو کر آداب بجا لاتے ہیں۔)

وزیر۔ اچھا ہوا حضور بیگم صاحبہ! آپ خود ہی تشریف لے آئیں۔ مَیں آپکی
خدمت میں انہیں بھیج ہی رہا تھا۔ تشریف رکھیے۔

ریحانہ خاتون۔ (بلائیں لیکر) قربان جاؤں بیٹا! جیو سلامت رہو۔
مگر یہ وقت بیٹھکر باتیں کرنے کا نہیں ہے۔ مجھے تم سے ایک ضروری کام
ہے۔ خدا خدا کرکے آج محل میں تمہاری صورت دکھائی دی ہے۔ معلوم
اب یہ موقع کب ملے۔

وزیر۔ کیوں؟ فرمائیے!

ریحانہ خاتون۔ سلامت رہو بیٹا۔ کوئی ایسی بڑی بات نہیں ہے۔ لیکن
اگر میرے دل سے پوچھو تو میری زندگی کا سہارا بس اب اسی پر موقوف ہے
کہ لالہ خاتون کی خیر سے گود بھرے اور تمہارے باپ دادا کا نام چلے۔ اللہ
جانتا ہے کہ اُٹھتے بیٹھتے میری زبان پر یہی دُعا ہے۔ کل میں پیارے شاہ
ولی کی خدمت میں حاضر ہوئی تھی اور اُن سے منّت کی کہ وہی میری طرف
سے دُعا مانگیں۔ ولیوں کی زبان میں اثر ہوتا ہے۔ شاید خدا انہیں کی سُن
لے۔ قربان جاؤں کیسے ولی کامل ہیں۔ فوراً انہوں نے مجھے تعویذ لکھکر
دیا اور کہنے لگے کہ "جا! بیگم تیری مُراد پوری ہوگی۔ مگر ایک شرط ہے کہ
وزیر صاحب کے سر کے وزن سے تین گنے گیہوں لیکر محتاجوں میں تقسیم کر
تبھی اُس کا اثر ہوگا ورنہ نہیں۔" اب مجھے تمہارے سر کا وزن کرنا ہے نہیں تو
یہ نیک ساعت گزر جائیگی اور مَیں یونہی ہاتھ ملتی رہ جاؤنگی۔

وزیر۔ مگر آپ میرے سر کا وزن کس طرح کر سکتی ہیں جب تک کہ یہ میرے
شانوں پر رکھا ہوا ہے۔

ریحانہ۔ میں تم پر سے قربان بیٹا! یہ تم میرے ہی اُوپر چھوڑ دو۔ مَیں سب
کرلوں گی۔ یہ تو چٹکی بجاتے میں ہوجائے گا۔ ابھی۔ جس بزرگ نے تعویذ
دیا ہے اُسی نے اس کا راستہ بھی بتا دیا ہے۔ تمہارے سر پر میں ہانڈیاں
چڑھا چڑھا کر دیکھوں گی اور جو ہانڈی تمہارے سر پر ٹھیک بیٹھے گی بس اس
بھر کے گیہوں کا وزن تمہارے سر جتنا وزنی ہوگا ---- بیٹا دریا خاتون!
لانا تو ایک ہانڈی۔

(دریا خاتون جاتی ہے اور مسعود کے ہاتھ سے ایک ہانڈی
لیکر آتی ہے۔ ریحانہ خاتون ایک ہاتھ سے وزیر صاحب
کی پگڑی اتارتی ہے۔)

وزیر۔ ارے آپ نے میری پگڑی اتار لی۔ مجھے آپ سب کے سامنے
اس طرح ذلیل نہیں کرسکتیں۔ دیکھیے! دیکھیے!! واللہ میں برداشت نہیں
کرسکتا۔

ریحانہ خاتون۔ خدا کے لئے بیٹا مان لو۔ ہے ہے مَیں کیا کروں یہ نیک
ساعت یونہی چلی جارہی ہے۔

وزیر۔ آپنے تو مجھے ایک تماشہ بنانے کا ارادہ کیا ہے۔ خیر شاہ صاحب
کا حکم ہے اس لئے مانے لیتا ہوں۔ خدا کرے لالہ خاتون کی دلی مُراد
پوری ہو۔ آمین!

ریحانہ خاتون۔ مَیں تم پر سے واری جاؤں۔ بیٹا! شاباش۔ دریا خاتون!
لانا تو ہانڈی۔ ہاں۔ اب آہستہ سے سر پر پہنا دو۔

(دریا خاتون سر پر اُلٹی ہانڈی رکھتی ہے۔ وہ ہانڈی
وزیر کے بھوؤں تک آکر رک جاتی ہے مگر نیچے نہیں
اُترتی۔ دریا خاتون اُس کے پیندے کو ٹھونک کر نیچے
سرکانا چاہتی ہے۔)

وزیر۔ اُف! خدا کے لئے ---- لاحول ولاقوۃ۔ میری ناک ٹوٹی
جاتی ہے۔ اُونہہ ----

(وہ ہانڈی اُتار دیتا ہے۔)

ریحانہ خاتون۔ (جلدی سے) بیٹی! ذرا اس سے بڑی ہانڈی لاؤ۔

(دریا خاتون ہانڈی لینے بھاگتی ہے۔)

وزیر۔ حضور بیگم، اب رہنے دیجیے۔ پھر کسی وقت جتنی ہانڈیاں جی چاہے میرے
سر پر رکھدیجیے گا۔ مجھے اس وقت آپ سے بڑا ضروری مشورہ کرنا ہے۔

ریحانہ خاتون۔ نہیں بیٹا! ہرگز نہیں۔ وہ ضروری مشورے تو پھر بھی ہوتے
رہیں گے۔ لیکن نیک ساعتیں بار بار نہیں آیا کرتیں۔ بیٹا میری اس ضعیفی پر رحم
کھاؤ۔ ابھی ایک ہی منٹ کی تو بات ہے۔ پھر چاہے تو جی بھر کر باتیں کرنا۔

الٰہی لالہ کی کوک آباد ہوجائے کسی طرح۔ (روتی آواز بنا کر) میں گور میں پاؤں لٹکائے بیٹھی ہوں۔ آج مری کل دوسرا دن۔ چاہتی ہوں کہ یہ خوشی اپنی آنکھوں سے دیکھتی جاؤں! (دریا خاتون کی طرف آنسو بھری ہوئی آنکھوں سے دیکھکر۔) ہے ہے توبہ ہے! دریا خاتون! کیسے بیچارے ننگے سر کھڑے ہوئے ہیں تم ہانڈی لئے ہوئے یوں ہی کھڑی ہوئی ہو۔ اگر یہی ہانڈی پہلے سے لے آئی ہوتیں تو کیا ہوجاتا۔

(دریا خاتون ہانڈی الٹ کر رکھتی ہے جو وزیر کے سر کو ڈھانپتی ہوئی اُس کے کندھوں تک آتی ہے۔ ریحانہ خاتون، لالہ خاتون کو اشارہ کرتی ہے۔ لالہ خاتون پردہ سرکاتی ہے اور روشن اختر شہزادے کا ہاتھ پکڑ کر باہر دروازے تک چھوڑ آتی ہے۔ کیونکہ اُس کے پاؤں میں جوتے نہیں ہیں اس لئے قدموں کی آواز نہیں ہوتی۔ فوراً ہی دریا خاتون ہانڈی اُٹھالیتی ہے۔)

وزیر۔ اب تو آپ کی خوشی ہوگئی! خیر اب تشریف رکھئے اور جو کچھ میں عرض کروں اُسے غور سے سُنیئے۔

ریحانہ خاتون۔ بسر و چشم۔ کہو۔

(جوں ہی وہ بیٹھنا چاہتی ہے کہ باہر سے غل شور کی آوازیں آنا شروع ہوتی ہیں۔ اور یکبارگی روشن اختر ہاتھ میں پستول لئے ہوئے اندر داخل ہوتا ہے۔ وزیر اس کو دیکھتے ہی کانپنے لگتا ہے۔)

روشن اختر۔ کیوں! والدِ مرحوم کے احسانوں کا یہی بدلہ ہے کہ اُنکی اولاد کے درپئے آزار ہوجاؤ۔ میرے پیچھے ہمیشہ آستین میں چھُری لئے پھرتے ہو۔ لیکن (ڈانٹ کر) جانتے ہو! جب تک میں تمہیں مار نہ ڈالونگا اُس وقت تک مجھے کوئی ہاتھ نہیں لگا سکتا۔

(پستول کا رُخ وزیر کی طرف کرتا ہے۔)

لالہ خاتون۔ (اُس کے قدموں پہ گرتے ہوئے) رحم! آقا زادے رحم! (روکر) ہائے میں کس کے سہارے زندہ رہونگی۔ للہ اسکو ہٹایئے۔

(روشن اختر پستول ہٹالیتا ہے۔ مرزا شہرت سپاہیوں کے ساتھ دروازے پر نمودار ہوتا ہے اور وہیں کھڑا ہوجاتا ہے۔)

روشن اختر۔ مرزا شہرت! کیوں کیا چاہتے ہو؟

مرزا شہرت۔ ہم نے حضور اور مرحوم نواب صاحب کا نمک کھایا ہے، مگر حکمِ حاکم اور مرگِ مفاجات۔ آپ خود جانتے ہیں کہ ہم کس لئے حاضر ہوئے ہیں۔

روشن اختر۔ جانتا ہوں۔ مگر تم مجھے زندہ گرفتار کرکے نہیں لیجا سکتے۔ لو، میرا یہ سر حاضر ہے۔ دیکھتے کیا ہو۔ اسے کاٹ کر نواب صاحب کے سامنے پیش کردو۔

مرزا شہرت۔ ہماری کیا مجال ہے کہ جو بے ادبی کریں۔ آپ ہمارے ساتھ یونہیں چلے چلیں۔ آپ کو دیکھکر نواب صاحب کا غصہ ٹھنڈا پڑ جائیگا۔ ویسے وہ وعدہ بھی کرچکے ہیں کہ اگر آپ خود چلے آئیں گے تو وہ آپ کو کوئی نقصان نہ پہونچائیں گے۔

روشن اختر۔ اُن کے قول اور فعل پر اعتبار ہی کسے ہے۔ کونسا وعدہ انہوں نے پورا کیا ہے؟ میں کہہ چکا، تم میں ہمت ہے تو آئے بڑھو اور بسم اللہ کرکے میرا سر تن سے جُدا کرلو۔ آؤ۔

(اُسی وقت باہر پھر غلغلہ ہوتا ہے۔ سلیم بیگ سپہ سالار اور بلند اختر، روشن اختر کا سوتیلا بھائی اندر داخل ہوتے ہیں۔)

سلیم بیگ۔ مرزا شہرت! ہٹ جاؤ۔ آقا آپ کی عمر دراز ہو۔ آپ کے چچا حضور نواب صاحب دریا میں کشتی پر سیر کررہے تھے کہ یکایک بادِ مخالف چلی اور کشتی دریا میں غرق ہوگئی۔ اب آپ اس گدی کے جائز وارث ہیں۔ کیونکہ یہ گدی دراصل آپکے والد مرحوم ہی کی ہے۔ حق بحقدار رسید۔ آپکی سلطنت کے تمام اُمرا دربار عام میں حضور کی قدمبوسی کے لئے بیچینی سے منتظر ہیں۔

روشن اختر۔ بلند اختر! کیا یہ واقعہ ہے؟

بلند اختر۔ میرے جان و مال آپ پر سے صدقے ہوں، اب آپ ہی ہمارے ولی نعمت ہیں۔ تشریف لے چلئے۔

وزیر / مرزا شہرت } (وزیر اور مرزا شہرت فرش پر دراز ہوکر معافی چاہتے ہیں) رحم! آقا رحم!!

روشن اختر۔ مرزا شہرت! کھڑے ہوجاؤ۔

(مرزا شہرت اُٹھکر ایک طرف کو سرنگوں کھڑا ہوجاتا ہے)

روشن اختر۔ وزیر! تم نے دیکھ لیا کہ انسان کی زندگی پانی کے بلبلے جیسی ہے اور اُس کے ارادے پانی پر لکیروں جیسے۔ انہیں مٹتے دیر نہیں لگتی۔ یہ تمہاری بھول تھی کہ تم اور میرے چچا تشنۂ دولت و حکومت میں محو ہوکر اُس قادرِ مطلق کو بالکل بھول گئے تھے ـــــ ذرا سوچو تو میں نے تمہارا کیا بگاڑا تھا کہ تم نے مجھے میرے باپ کی گدی سے محروم کیا اور غاصب چچا سے سازش کرکے میرا نام و نشان بھی دُنیا سے مٹا دینے پر آمادہ ہوگئے۔ بدبخت انسان! خدا کے یہاں دیر ہے اندھیر نہیں۔ اُس کی لاٹھی میں آواز

ہوتی۔ شکر ہے اس کا کہ ظالم کا سر مظلوم کے قدموں پر جھکا ہوا ہے۔ ابھی
لمحہ قبل میری جان تمہارے ہاتھوں میں تھی اور اس وقت تمہاری جان میرے
ہاتھوں میں ہے۔ تم اپنی تلوار میان سے نکال رہے تھے اور دیکھو میری
ذہانت کہ میرے پستول کی نال تمہارے سینے سے ہٹی ہوئی تھی۔ جاؤ میں نے
تمہیں وزارت سے برطرف کیا۔ کیونکہ سلطنت کے معاملات تم جیسے انصاف
فروش، رشوت خوار، محسن کش اور ظالم کے ہاتھ میں دینے کے یہ معنی ہیں کہ
رعایت کا خون میں اپنی گردن پر لوں — میں تمہاری جان بخشی کرتا ہوں
تمہارے مال و املاک تمہیں واپس کرتا ہوں۔ میں کہہ چکا! اب میں
حکم دیتا ہوں کہ دریا خاتون کے ساتھ میری شادی کے تمام انتظامات
ہفتہ کے اندر پورے ہو جائیں۔ خدا حافظ مادر محترمہ (ریحانہ خاتون)

خدا حافظ ہمشیرہ محترمہ (لالہ خاتون)۔

ریحانہ خاتون } آقا! خدا تمہاری عمر دراز کرے۔ ہنسی خوشی سلطنت کرو،
لالہ خاتون } پھلو اور پھولو۔ فی امان اللہ!

(روشن آختہ جاتا ہے۔ اُس کے پیچھے تمام لوگ دست بستہ جاتے ہیں۔ صرف وزیر اور خواتین باقی رہجاتی ہیں۔ وزیر چاروں طرف بھونچکا ہوکر دیکھتا ہے اور اپنا چہرہ اپنے ہاتھوں سے چھپا کر فرش پر بیٹھ جاتا ہے۔)

سوار:۔ (باہر سے آواز آتی ہے) نواب روشن اختر بہادر زندہ باد!

(پردہ)

سید ابوطاہر داؤد؁

افسانوی حقیقت

دورِ جمشیدی بہ ہر صورت مثالی دور تھا — عیش و عشرت میں بھی ایران محوِ فکر و غور تھا
تھی جو ایران کی ذہانت ہمکنارِ اقبال سے — کہہ رہا تھا فرد فرد اس کا زبانِ حال سے
ہر گھڑی کیسا تفکر؟ محفل آرائی بھی ہو — کاہشِ جاں ہی فقط کیوں ہو؟ دل افزائی بھی ہو
رزم میں جوہر دکھاتے تھے وہ سرکش عزم کے — روح پرور ولولے تھے جن کی دلکش بزم کے
چھاؤں میں تاروں کی رہتے تھے رہینِ نا و نوش — مہر کو دیکھا تو دکھلانے لگے جوش و خروش
بڑھ رہا تھا آئے دن ایران کا توسیعِ حشم — کر رہا تھا دوسرے ملکوں کو اپنی اپنی حد میں ضم
اس کے فرزندوں سے تھی اس کی ثقافت آشکار — تھے قمر آثار شب کو دن کو خورشید اشتہار
تھے سفیر اس کے جہاں میں چار سو پھیلے ہوئے — آشکارا راز ان ہی سے سفارت کے ہوئے
حقِ سفارت کا ادا کرتے تھے ایرانی امیر — جلوہ گر تھا ہند میں بھی ایک روشن دل سفیر
نام اس جانباز ایرانی کا تھا فیروز بخت — شاہ بھی اس کو سمجھتا تھا معینِ تاج و تخت
رہتے رہتے ہند میں اس کو جو مدت ہو گئی — ایک ہندی شاہزادے سے محبت ہو گئی
جب سے اخلاص کا اس پر نشہ چھانے لگا — شاہزادے کو وہ اپنی راہ پر لانے لگا
کر دیا فیروز نے قائم جو تعلیمی نظام — "جنگ مصنوعی" سے خوش ہونے لگا یہ شادکام
جوش میں تلوار پر تلوار چمکانے لگا — بن کے بجلی زد سے بجلی کی نکل جانے لگا
کچھ دنوں میں بن گیا یہ مردِ میدانِ نبرد — شہسواری، نیزہ بازی، تیر اندازی میں فرد
لیکن اس کے تھے معلم جتنے ہندی فلسفی — رازہی میں کر رہے تھے مائلِ سرِ خفی
مورتی پوجن کا سمجھا بھید سن سن کر بھجن — رفتہ رفتہ بھول بیٹھا خود پرستی کا چلن
دیکھ کر حال اس کا بول اٹھا سفیرِ نامور — اس کے بس میں آ نہیں سکتا جہانِ خیر و شر
فلسفہ ایران کی عظمت کا سمجھاؤں کسے — "گیان دھیان" اس کا ابھرنے ہی نہیں دیتا اسے
ابلقِ لیل و نہار اس کے لئے بیکار ہے — یہ شرابِ بےخودی سے رات دن سرشار ہے

علی منظور